خوانِ عقل

علامہ جناب عبد عیسیٰ صاحب

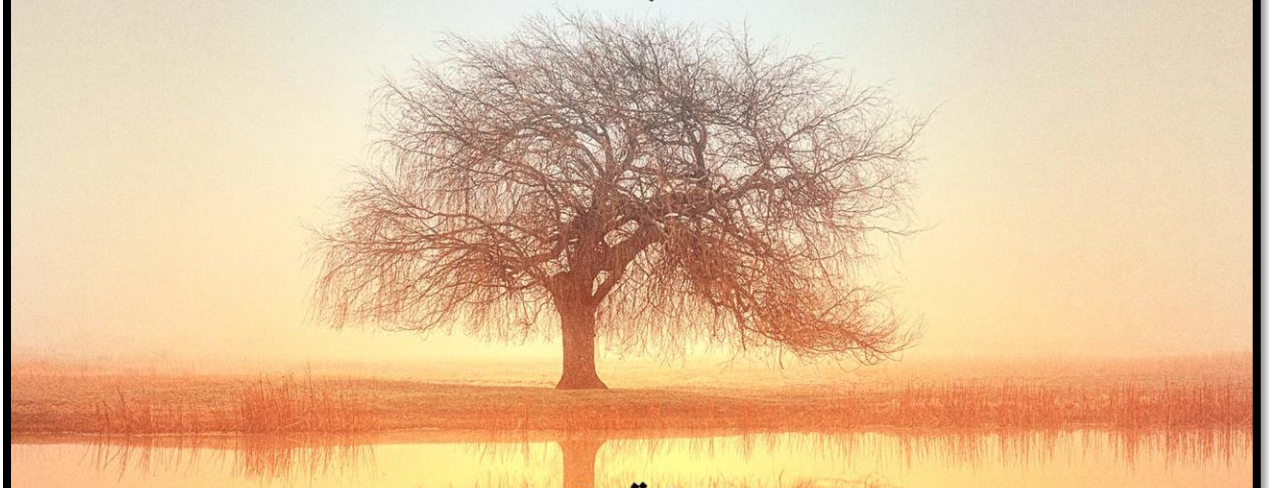

مترجم

علامہ جناب پروفیسر محمد اسمٰعیل خاں صاحب ایم۔اے

FOOD FOR REFLECTION

HISTORICAL COMPARISON BETWEEN ISLAM & CHRISTIANITY

1918

NOOR-UL-HUDA.NET

FOOD FOR REFLECTION

BEING AN
HISTORICAL COMPARISON
BETWEEN
MUHAMMADANISM AND CHRISTIANITY
BY
'ABD 'ISA

خوانِ عقل

از

عبدِ عیسےٰ

مترجمہ

پروفیسر محمد اسمعیل خاں ایم۔اے

کرسچن لٹریچر سوسائٹی پنجاب برانچ لدھیانہ نے
باہتمام ڈاکٹر ای۔ایم۔ویری صاحب شائع کیا
1918

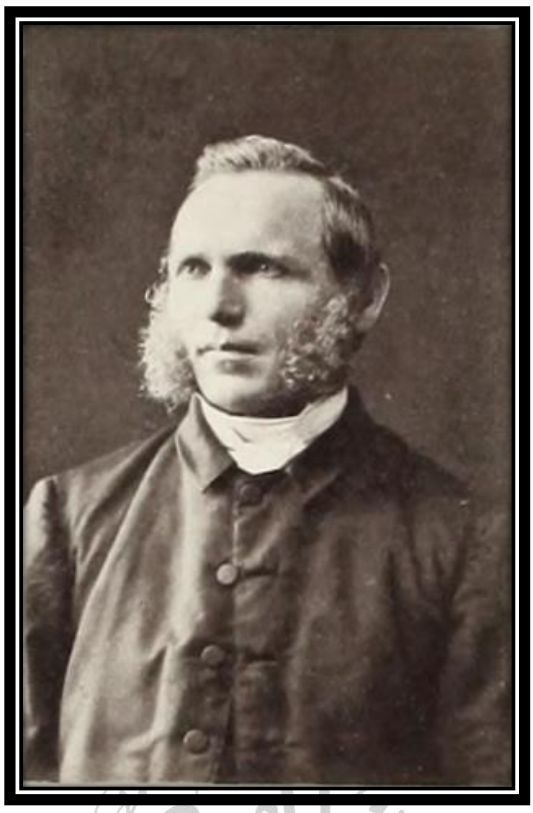

Sigismund Wilhelm Koelle or **Kölle**

Pseudonym Abd Isa

(July 14, 1823 – February 18, 1902)

Was a German missionary working on behalf of the London-based Church Missionary Society, at first in Sierra Leone, where he became a pioneer scholar of the languages of Africa, and later in Constantinople. He published a major study in 1854, *Polyglotta Africana,* marking the beginning of serious study by Europeans of African languages.

یہودی مذہب کا مسیحی مذہب سے مغلوب ہونا جیسا کہ مسیحی مذہب کی عجیب طاقت اور گہرے اثر اور باوجود مشکلات کے زمانہ بزمانہ ترقی پانے سے ظاہر ہے

یہودی مذہب مسیحی اور اسلام سے قدیم تر ہے۔ اگرچہ ہم حضرت موسیٰ کے زمانہ سے جبکہ اس کوہِ سیناپر شریعت دی گئی برسوں کا شمار کریں تو یہ مسیحی مذہب سے ۱۴۰۰ برس اور اسلام سے ۲۰۰۰ برس سے زیادہ قدیم تر ہے۔ شریعت کے نزول سے سیدنا عیسیٰ مسیح کے آنے تک بنی اسرائیل یا یہودی ایک ایسی قوم تھے جو ایک واحد اور زندہ خدا کی پرستش کرتے تھے۔ دنیا کی اور سب قومیں جہالت میں گمراہ اور بتوں کی پجاری تھیں۔ اس وقت دنیا میں بنی اسرائیل ہی کا مذہب ایک سچا مذہب تھا۔ اگر یہ بات سچ ہے یعنی اگر بنی اسرائیل ہی کا مذہب سچا اور برحق مذہب تھا جس کا خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ پر کوہِ طور پر مکاشفہ ہوا (توریت شریف کتابِ خروج ۱۹ باب) تو کیا یہ لازم نہیں ٹھہرتا کہ سب محمدی اور مسیحی یہودی ہو جائیں؟ ہر گز نہیں۔ کیونکہ جو تعلیم خدا کی طرف سے ایک زمانہ میں نازل ہوئی وہ سب زمانوں کے لئے کافی نہ تھی بلکہ وہی تعلیم زمانہ بزمانہ میں مکمل ہوتی ہو گئی۔ جس طرح ہر چیز بڑھتی اور ترقی پاتی ہے۔ یہاں تک کہ کمال کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے جیسا کہ خدا نے دنیا کو ایک ہی دن میں پیدا نہ کیا بلکہ کئی دنوں کے عرصہ میں۔ اسی طرح اس نے اپنی نجات کی تعلیم کو رفتہ رفتہ نازل کیا۔ جب حضرت ابراہیم یہودی قوم کے باپ کو بلاہٹ ہوئی اس وقت طوفانِ نوح کو کئی سو سال ہو چکے تھے۔ پھر اس زمانہ سے موسوی شریعت کے زمانہ تک چار سو سال گذر گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر وقت کی قید عائد نہیں ہوتی بلکہ برعکس اس کے وقت اس کے وسیلے سے قائم ہے۔ وہ اپنے رحم اور انصاف کو ظاہر کرنے کے لئے بخوبی اس وقت تک ٹھہر سکتا ہے جب تک کہ انسان تیار ہو یا جب تک کہ ٹھیک موقع آجائے۔ پیشتر اس سے کہ خدا نے حضرت ابراہیم کے خاندان کو کوہِ طور سے شریعت دی اس نے ان کو مصر کی تکالیف میں ڈال کر اور بعد ازاں فرعون کے چنگل سے چھڑا کر اس بڑی نعمت کے لئے تیار کیا۔ اسی طور سے لازم تھا کہ مسیح کے نازل ہونے کے وقت سے پیشتر بہت سا زمانہ گزرے۔ اسی زمانہ کے سلسلہ پر غور کرو۔ مسیح کے زمانہ سے اب تک کئی پشتیں گزر چکی ہیں لیکن تو بھی روزِ قیامت ابھی تک نہیں آیا کیونکہ اب تک خدا کی نگاہ میں دنیا اس روزِ عظیم کے لئے جس سے کل کائنات کا موجودہ سلسلہ ختم ہو جائیگا تیار نہیں۔ ان سب باتوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ بہت ہی مناسب بات ہے کہ کل سچائی ایک ہی دفعہ نازل نہیں کی جاتی اور نہ ہی وہ دنیا کے شروع میں یک لخت نازل ہوئی بلکہ آہستہ آہستہ جیسے بنی آدم تیار ہوتے گئے ویسے ہی یہ صداقت نازل ہوتی رہی۔ یہ قرین قیاس ہے کہ اگر اب پھر خدا کی طرف سے کوئی اور نئی صداقت نازل ہو تو بہت سے انسان یہ سمجھ کر کہ پرانی تعلیم سچی اور برحق ہے اسے رد کر دینگے یہی خاص گناہ یہودی قوم کا تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ وہ تعلیم جو کہ ان کو قدیم سے موسیٰ کے زمانے سے دی گئی راست اور برحق ہے اور اس تعلیم کو جو مسیح نے ان کو دی اور جو اس نے اپنے کام اور کلام سے ان کے سامنے راست ثابت کو رد کیا۔ یہاں تک کہ فریسیوں نے جو کہ ان کے مذہبی سرپرست تھے یہ کہا "ہم جانتے ہیں کہ خدا نے موسیٰ سے کلام کیا لیکن اس مرد کی بابت ہم نہیں جانتے کہ کہاں سے ہے" (انجیل شریف، یوحنا ۹ باب ۲۹ آیت) یہودیوں نے جب اس طور سے مسیح کو رد کیا جس نے اپنا کلام نہیں بلکہ آسمانی باپ (پروردگار) کا کلام جس نے اسے بھیجا تھا پیش کیا تو گویا انہوں نے اپنے آپ کو راست و برحق مذہب سے ہٹالیا اور خدا کی برگزیدہ قوم ہونے کے بجائے رد کئے گئے ملک سے نکالے گئے اور اب دنیا کی قوموں کے درمیان اپنے گناہ کی سزا کے باعث تتر بتر ہیں پس یہ ظاہر ہے کہ اگرچہ یہودی بالکل سچے مذہب کے پیرو تھے اور اگرچہ اب تک وہ ایک واحد زندہ خدا کی تعلیم کو مانتے ہیں لیکن تو بھی ان کی تعلیم میں بڑی بھاری غلطی اور ان کے مذہب میں کمی پائی جاتی ہے۔

ان کا مسیح کو اور اس کی آسمانی تعلیم کو رد کرنا ایک گناہِ عظیم تھا۔ اس لئے خدا نے کل قوم کو اس کی سزا دی۔ مسیح کے آسمان پر جانے کے چالیس برس ہی کے بعد خدا کی طرف سے ایک ایسی لعنت ان پر پڑی کہ ان کے گاؤں اور شہر برباد کئے گئے ہیکل (بیت اللہ) جلائی گئی۔ یروشلیم تباہ کیا گیا۔ مرد قتل کئے گئے اور جو بچ رہے وہ عورتوں اور بچوں کے ہمراہ صفحہ ہستی پر تتر بتر کئے گئے۔ یہ مسیحیوں نے نہیں کیا مگر ایک غیر مسیحی سلطنت یعنی روما کے ذریعے ہوا جس کے ذریعے خدا نے یہودیوں کو سزا دی۔ اس وقت سے آج تک قوم یہود بغیر اپنی سلطنت اور ملک کے ہیں وہ قوموں کا ننگ ہیں ان سبھوں سے جن کے درمیان وہ رہتے ہیں ذلیل کئے جاتے ہیں۔

اسی اثنا میں مسیحی بڑھتے گئے۔ ان پر یہودیوں نے پیشتر اس سے کہ یروشلیم تباہ ہوا سخت ظلم کئے اور ان کے بعد کئی صدیوں تک رومیوں نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں کیونکہ مسیحی مذہب کو دن بدن ترقی پاتے دیکھ کر ان کو اپنے قومی مذہب کے زائل ہو جانے کا نہایت اندیشہ پیدا ہوا۔

اب ہمارے سامنے ایک واحد خدا کو ماننے والے دو مذہب پیش ہیں ایک یہودی اور دوسرے مسیحی۔ یہودی مذہب ایک مردہ بے جان مذہب تھا جس نے ظاہر داری پر زور دیا اور باطنی سچے زندہ ایمان کو برطرف کر دیا۔ گو پرانی تعلیم نئی تعلیم سے بدل گئی اور کہانت جاتی رہی تو بھی یہودیوں نے نہ جانا کہ اس تعلیم اور اس پر ستش کا وقت نہ رہا۔ چند ایک اس مذہب کے پیرو رہے مگر وہ اپنے پرانے خیالات میں ڈوبے رہے اور کبھی بھی سیکڑوں سالوں میں کسی کو اپنا گرویدہ نہ کر سکے۔ دوسری طرف مسیحی مذہب ہے جو کہ زندہ اور پرزور مذہب ثابت ہے۔ دیکھو کس طور سے اس کے ذریعے صدہا شخص گناہ کی غلامی سے رہا کئے جاتے اور پاک زندگی کی طرف راغب کئے جاتے ہیں۔ خود پسند فریسی جیسے آدمی فروتن اور عاجز ایماندار آدمی بن جاتے خود غرض اپنی خودی کو بھول کر دوسروں کی مدد کے لئے آمادہ کئے جاتے۔ جاہل علمِ الہیٰ سے معمور کئے جاتے اور کمزور زور آور بنائے جاتے ہیں غور کرو کہ کس طرح یہ شہر بشہر پھیلتا جاتا اور ملک بملک بڑھتا جاتا ہے مندروں کو پاک عبادت گاہیں بناتا آتش کدہوں کو زندہ قربانی کی جگہ بناتا ہے غریبوں امیروں اور جاہلوں داناؤں سے لاکھوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ تین ہی صدیوں میں اتنا عروج پا گیا کہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے بادشاہ کو بھی اپنا پیرو بنالیا۔ جن دنوں میں قوم یہود کو عروج تھا اور طاقت ان کے ہاتھ میں تھی انہوں نے مسیحیوں کو بہت دکھ دیا اور ستایا اور جب مسیحی طاقتور ہوئے تو انہوں نے بجائے دوسروں کو ستانے کے خود سب تکالیف برداشت کیں۔ مورخ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سخت سے سخت قسم کی مصیبت بھی بڑی بُردباری سے سہی۔ وہ تلوار سے قتل کئے گئے آگ میں جلائے گئے، درندوں سے پھڑوائے گئے اور طرح طرح کی اذیتوں میں ڈالے گئے مگر سب کچھ خوشی سے سہا۔ بعض دفعہ فتحیابی کے نعرے بلند کرتے گویا کہ بڑے بھاری جلسے میں شامل ہونے پر ہیں۔ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرتے جیسا کہ کوئی بہادر مرد سب چیزوں پر فتح پا کے تاج حاصل کرنے کو آگے بڑھے۔ ان سب باتوں سے ہر ایک کھلے دل انسان پر روشن ہے کہ بلاشک مسیحی مذہب ایک ایسا مذہب ہے جو گمراہ کو راہِ راست پر لاتا ہے اور گنہگار کو صادق بناتا ہے۔ یہ مذہب ایک آسمانی نور ہے اور خدا کی خاص بخشش ہے۔ یہی دنیا کو اپنے روحانی زور سے مغلوب کرتا اور بلا کسی ہتھیار کے سب پر فتح پاتا ہے۔ اسی باعث یہ نہایت مناسب ہوا کہ یہ ہی مذہب خدا کا سچا مذہب کہلائے اور کل بنی نوع انسان کے واسطے نجات کا ذریعہ ٹھہرے۔

دوسری فصل

پرانے عہد نامہ میں مسیح اور مسیحی مذہب کی بابت پیشینگوئیاں

اگر اس نئے مذہب کی مذکورہ بالا صداقت اس کی کامیابی اور زود ترترقی اور مقبولِ ہر خاص وعام ہونے سے ظاہر ہے تو یہ بھی صاف روشن ہو جائیگا کہ یہ مذہب موسوی شریعت سے بہتر اور بالاتر مذہب ہے۔

غور کیجئے کہ مسیح اور مسیحی مذہب آناً فاناً صفحہ ہستی پر ظاہر نہ ہوئے لیکن برعکس اس کے قوم یہود کے نوشتوں میں بہت سے اشارے او رپیشینگوئیاں تھیں جو کہ ایک نبی کاہن (امام) اور بادشاہ کے آنے کی اور قومی مذہب میں بڑی بھاری تبدیلی پیدا کرنے کی شاہد تھیں۔

مندرجہ ذیل پیشینگویوں پر غور کیجئے۔ بمطابق استثنا ۱۸: ۱۸، ۱۹۔ خدا نے موسیٰ سے کہا۔ "میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سے ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤنگا وہ سب ان سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سنیگا تو میں اس کا حساب اس سے لونگا۔" اس پیشینگوئی کا پورا ہونا مفصلہ ذیل حوالوں سے ثابت ہوتا ہے (اعمال ۳: ۲۲، ۲۶۔ لوقا ۲۴: ۱۹۔ یوحنا ۴: ۲۴ و ۲۶۔ ۸: ۲۸۔ ۱۲: ۴۹ و ۵۰۔ ۱۵: ۱۵۔ عبرانیوں ۲: ۳۔ ۳: ۱ و ۲۔ ۱۲: ۲۵ پھر زبور ۱۱۰ آیت ۴ میں بڑے صاف وصریح طور سے ایک آنے والے کی طرف اشارہ ہے جو کہ نہ صرف داؤد کا بیٹا ہونے کو تھا بلکہ اس کا خداوند (دیکھو متی ۲۲: ۴۲ تا ۴۵) "خداوند نے قسم کھائی ہے اور وہ نہ پچھتائے گا۔ تو ملکِ صدق کے طور پر ابد تک کاہن (امام) ہوگا۔" اس پیشینگوئی کا پورا ہونا ان حوالوں سے ظاہر ہے۔ عبرانیوں ۵: ۶۔ ۶: ۲۰۔ ۷: ۱ سے ۲۴۔ مسیح کے شاہانہ جلوس کے بارے میں جس کے لئے یہودی خاص طور سے منتظر تھے اور ہم دانی ایل نبی کی پیشینگوئی منقول کرتے ہیں۔ دانی ایل ۷: ۱۳ و ۱۴ "میں نے رات کی رویتوں کے وسیلے دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدمزاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام تک پہنچا۔ وہ اسے اس کے آگے لائے اور تسلط اور حشمت اور سلطنت اسے دی گئی کہ سب قومیں اور امتیں اور مختلف زبان بولنے والے اس کی خدمت گزاری کریں۔ اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہیگی اور اس کی مملکت ایسی جو زائل نہ ہوگی۔ اس پیشینگوئی کا پورا ہونا اس ایت سے روشن ہے متی ۲۴: ۳۰۔ ۲۸: ۱۸۔ افسیوں ۱: ۲۰ تا ۲۲۔ مکاشفات ۱: ۷۔ ۱۱: ۱۵۔ ۱۴: ۱۴۔ ۱۹: ۱۱۔ ۱۶۔ یرمیاہ نبی کی کتاب ۳۱ باب اور اس کی آیت ۳۱ سے ۳۴ آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سچا مذہب ہمیشہ ایک ہی صورت میں نہ رہیگا بلکہ بدلتا ترقی پاتا اور کامل ہوتا چلا جائیگا۔ دیکھو وہ دن آتے ہیں خداوند کہتا ہے کہ میں اسرائیل کے گھر میں اور یہوداہ کے گھر میں انسان کا بیج اور حیوان کا بیج بوؤنگا اور ایسا ہوگا کہ جس طرح میں نے ان کی گھات میں بیٹھ کے انہیں کھاڑا اور ڈھایا اور الٹا دیا اور برباد کیا اور دکھ دیا اسی طرح میں چوکی دیکے انہیں بناؤنگا اور لگاؤنگا۔ خداوند کہتا ہے ان دنوں میں یہ پھر نہ کہا جائیگا کہ باپ دادوں نے کچے انگور کھائے اور لڑکوں کے دانت کھٹے ہوئے کیونکہ ہر ایک اپنی بدکاری کے سبب مریگا اور ہر ایک جو کچے انگور کھاتا ہے اس کے دانت کھٹے ہونگے۔"

اگر ایسی ایسی پیشینگوئیاں یہودیوں کی مقدس کتابوں میں نہ ہوتیں تو وہ سیدنا عیسیٰ مسیح کے انکاری ہونے کا کچھ عذر پیش کر سکتے تھے اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جبکہ ہمارا مذہب خدا سے ہے اور موسیٰ اس کا برگزیدہ خادم تھا تو کیونکر ہم ایک ایسے شخص کی پیروی کریں جو اپنے آپ کو موسیٰ سے بڑا ٹھہراتا ہے اور جس کی بابت خدا کے کلام میں ہم کو بالکل آگاہی نہیں دی گئی یہ جتلایا گیا کہ موسوی شریعت ایک اور بہتر تعلیم سے جو کہ انسان کی ضرورت کو پورا کریگی تبدیل کی جائیگی؟ مگر جس حال کہ مندرجہ بالا پیشینگوئیاں صریح طور سے ان کے نوشتوں میں درج ہیں ان کے پاس کوئی عذر نہیں جس

کے رو سے وہ سیدنا عیسیٰ کو جس میں سب پیشنگوئیاں صریح طور سے ان کے نوشتوں میں درج ہیں ان کے پاس کوئی عذر نہیں جس کے رو سے وہ سیدنا عیسیٰ مسیح کو جس میں پیشینگوئیاں پوری ہوئیں اور جس نے کامل نجات کی راہ تیار کی رد کر سکیں۔

تیسری فصل

سیدنا مسیح اور مسیحی مذہب بنی اسرائیل کے درمیان یعنی اس جگہ ظاہر ہوئے جہاں ان کی بنیاد رکھی گئی

جیسے درخت سے اس کا تنہ اور تنے سے شاخیں پھوٹ نکلتی ہیں اسی طرح سے مسیحی مذہب یہودی مذہب سے نکلا اور یہ صرف اسی کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ جب تک کہ لوگ شریعت کے ذریعے تیار نہ ہوئے تب تک خدا نے انجیل کی برکت کو نازل نہ کیا اور جونہی کہ اس نے دیکھا کہ لوگ تیار ہیں خصوصاً یہودی جن کے درمیان زمانہ بزمانہ خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کیا تو یہ برکت آسمان سے نازل ہوئی۔ بعض شاید اعتراض کریں کہ کیوں خدا نے اس برکت کو یہودیوں پر نازل کیا؟ آؤ اس پر غور کریں۔ گو کہ ہم پورے طور سے خدا کے بھیدوں سے واقف نہ ہو سکیں تو بھی یہ بات روشن ہو جائیگی اگر بالا تعصب اس پر سوچیں۔ یہ بات سب مان لینگے کہ اس بڑی برکت کا نازل ہونا اسی جگہ لازم اور مناسب ہے جہاں پہلے اس کے نزول کی تیاری ہو چکی ہو اور جہاں لوگ اس کے حاصل کرنے کے لئے آپ کو تیار کر چکے ہوں۔ یہودی قوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی ایک ایسی قوم تھی جس نے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کیا تھا جیسا کہ انجیل سے ظاہر ہے کہ مسیح بیت لحم میں جو کہ داؤد کا شہر ہے پیدا ہوا متی ۲: ۱۔ لوقا ۲: ۱تا۷ ناصرت میں اس کی پرورش ہوئی لوقا ۲: ۳۹تا۵۱ اور اس نے اپنی خدمت کے ایام میں صاف طور سے کہا کہ نجات پہلے یہودیوں کے لئے ہے۔ متی ۱۰: ۵تا۶ میں لکھا ہے کہ اس نے پہلے اپنے بارہ رسولوں کو منادی کرنے اور چنگا کرنے کے لئے یہ کہکر بھیجا "مشرکین کی کسی بستی میں نہ جاؤ اور نہ سامریوں کہ شہروں میں داخل ہو بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے درمیان جاؤ۔" اور پھر ایک مقام پر جبکہ اس کے شاگردوں نے ایک فینکی عورت کی لڑکی کو چنگا کرنے کے لئے کہا تو مسیح نے یوں جواب دیا "میں اسرائیل کی گمراہ بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" متی ۱۵: ۲۴ جب تک کہ بنی اسرائیل میں سے ایک خاص تعداد شاگردوں کی جمع نہ ہوئی اور جب تک وہ شاگرد روح القدس سے معمور نہ کئے گئے تب تک زندہ سیدنا مسیح نے ان کو یہودیہ کی سرحدوں سے باہر جانے کی اجازت نہ دی مگر جب وہ روح القدس سے معمور ہوئے تو زمین کے کناروں تک بھیجے گئے اعمال ۱: ۳تا۸۔ مسیحی مذہب کی تواریخ صاف طور سے بتلاتی ہے کہ اگرچہ قوم یہود نے مسیح کو رد کیا مگر تو بھی مسیح نے انہیں کے درمیان اپنی کلیسیا (جماعت) کی ایک پایدار بنیاد ڈالی جس پر کہ ایک عالی شان عمارت بنائی جارہی ہے۔

چوتھی فصل

مسیح کے الہیٰ کام اور نئے عہد کے شروع کا معجزانہ ثبوت

قوم یہود کے لئے مسیح کے معجزوں کا خاص یہ مقصد تھا کہ وہ اس کے پیرو ہوں اور اس طرح خدا کی مرضی کو پورا کریں۔ جس طور سے موسیٰ کو خدا نے معجزانہ قدرت دی تا کہ وہ بنی اسرائیل کا نبی اور رہائی دینے والا ثابت ہو اسی طور سے مسیح کو بھی یہ قدرت ملی تا کہ وہ خدا کا پیغمبر ثابت ہو تا کہ اس کی تعلیم خدا کی تعلیم اور مکاشفہ مانا جائے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ موسیٰ کو کوئی خاص خصوصیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ موقع بموقع خدا کی قدرت کو ظاہر کرتا تھا جس سے یہ ظاہر ہے کہ بغیر اس قدرت کے وہ بذات خود کچھ نہ کر سکتا تھا۔ بہت سے کاموں اور اس معجزانہ قدرت کی ہدایت کے لئے مفصلہ ذیل مقامات غور طلب ہیں خروج ۴: ۲تا۹۔ ۸: ۵و۱۶، ۲۰، ۲۱۔ ۳: ۸، ۹، ۲۲۔ ۱۰: ۱۲، ۲۱۔ ۱۴: ۱۶، ۲۶۔ ۱۸: ۶۔

ان معجزات کے سبب سے لوگوں نے موسیٰ کو خدا کا نبی مان لیا خروج ۴: ۳۱، ۱۴: ۳۱ اور پھر اسی قدرت کے باعث اور بسبب اس کے خدا نے بالمشافہ اس سے کلام کیا بنی اسرائیل میں کوئی اور نبی اس کے برابر نہ ہوا استثنا ۳۴: ۱۰، ۲۱ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر نبی اسرائیل نے موسیٰ کو بلحاظ اس کے معجزوں کے نبی قبول کیا تو کتنا زیادہ لازم تھا کہ وہ مسیح کو قبول کرتے جس نے اپنی خدمت کا یوں بیان کیا کہ اندھے دیکھتے لنگڑے چلتے کوڑھی پاک صاف کئے جاتے بہرے سنتے اور مردے جلائے جاتے اور غریبوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے متی ۱۱: ۵ اور جس کی بابت مرقس ۳: ۱۰ و ۱۱ میں یوں لکھا ہے کہ اس نے بہتوں کو چنگا کیا یہاں تک کہ جو سخت بیماریوں میں گرفتار تھے اس پر گرے پڑتے تھے کہ اسے چھو لیں اور ناپاک روحیں جب اسے دیکھتیں تو اس کے آگے گر پڑتیں تھیں اور پکار کر کہتی تھیں کہ تو خدا کا بیٹا ہے۔ مسیح نے اپنی موت کے چند ہی روز پہلے لعزر کو جو کہ چار دن سے مرا ہوا تھا اور جبکہ اسکا جسم اس ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ضرور ہی سڑ گل گیا ہو گا زندہ کیا (یوحنا ۱۱: ۳۹)۔ پطرس کی گواہی پر غور کیجئے جو اس نے ہزارہا یہودیوں کے آگے ان الفاظ میں دی "سیدنا مسیح ایک مرد تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ثابت ہوا ان معجزوں نشانوں اور اچنبھوں سے جو خدا نے اس کی معرفت تمہارے بیچ میں دکھائے جیسا کہ تم آپ جانتے ہو" (اعمال ۲: ۲۲) یہ مبالغہ نہ ہو گا اگر مسیح کے حق میں یہ کہا جائے کہ نہ پہلے نہ اس وقت نہ اس کے بعد کوئی ایسا آدمی ہوا جس نے اس قدر بڑی قدرت اور محبت ظاہر کی ہو۔ لہذا اس کا یہودیوں کو جتلانا بجا اور برحق تھا جیسا کہ یوحنا ۱۰: ۳۷، ۳۸ آیات سے ظاہر ہے " اگر میں اپنے باپ (پروردگار) کا کام نہیں کرتا تو مجھ پر ایمان مت لاؤ لیکن اگر میں کرتا ہوں تو اگرچہ مجھ پر ایمان نہ لاؤ تو بھی کاموں پر ایمان لاؤ تا کہ تم جانو اور یقین کرو کہ باپ (پروردگار) مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔"

پانچویں فصل

سیدنا مسیح کا الہیٰ مکاشفہ اور اس کی انجیل یہودی مذہب کا درحقیت ایک اعلیٰ درج ہے

یہ مضمون صدہا مثالوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے مگر ہم بالخصوص چھ باتوں کو پیش کرینگے جن میں سے پہلی تین ہمارا تعلق خدا سے اور روحانی چیزوں سے بتلاتی ہیں اور دوسری تین ہمارا رشتہ ہمارے ہم جنس انسانوں سے۔

(۱) خدا کی بابت

ہم میں سے ہر ایک جو کہ باتوجہ بائبل کا مطالعہ کرتا ہے یہ بخوبی جانتا ہے کہ خدا کی بابت جو پرانے عہد نامہ میں بیان کیا گیا ہے وہ اس بیان سے جو نئے عہد نامہ میں ہے مختلف ہے۔ اس میں خدا قادر مطلق خداوند قدوس عادل منصف اور مہربان اور رحیم حاکم اور بالخصوص بنی اسرائیل کا خداوند ظاہر کیا گیا ہے۔ خروج ۳۰:۵،۶ میں خداوند یوں فرماتا ہے "میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور باپ دادوں کی بدکاریاں ان کی اولاد پر جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں تیسری اور چوتھی پشت تک پہنچاتا ہوں پر ان میں سے ہزاروں پر جو مجھے پیار کرتے ہیں اور میرے حکموں کو حفظ کرتے ہیں رحم کرتا ہوں۔ اسی باب کی انیسویں آیت میں یوں لکھا ہے کہ لوگ چونکہ خدا سے ڈرتے تھے اس لئے انہوں نے موسیٰ سے کہا "تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں لیکن خدا ہم سے نہ بولے ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں" زبور ۹۵:۶،۷ میں یوں لکھا ہے کہ "آؤ ہم سجدہ کریں اور جھکیں ہم اپنے خالق اور خداوند کے حضور گھٹنے ٹیکیں کہ وہ ہمارا خداوند ہے اور ہم اس کی چراگاہ کے لوگ اور اس کے ہاتھ کی بھیڑیں ہیں۔"

یہ بات سچ ہے کہ موسوی شریعت خدا کی صفات پر بہت کچھ روشنی ڈالتی ہے اور انبیاء کے صحیفوں میں مسیح کے کفارے کی بابت اور خدا کے بے حد پیار کی بابت جتلایا ہے لیکن یہودی قوم نے ان روحانی صفات پر لحاظ نہ کیا جو خاص طور سے شریعت اور نبیوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ انہوں نے صرف انہی صفات کو مدِ نظر رکھا جو کہ عام طور سے بتلائی گئیں۔

نئے عہد نامہ میں خدا بالخصوص محبت کے لباس میں پیش کیا گیا جو کہ سیدنا مسیح کے ذریعے ہمارا باپ ہے اور یہ حقیقتاً ایک اعلیٰ ترقی کا درجہ ہے بالمقابل ان صفات کے جن سے خدا صرف ایک خالق یا اخلاقی حاکم یا منصف جتلایا جائے۔ دعایِ ربانی میں سیدنا مسیح نے سکھایا کہ خدا کو "اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے۔" کے نام سے پکارا جائے (متی ۶:۹)۔ اسی طور پر مقدس پولوس نے گلتیہ کے مسیحیوں کو لکھا کہ "تم سب سیدنا مسیح پر ایمان لانے کی رو سے خدا کے فرزند ہو کہ تم سب نے جتنوں نے مسیح میں بپتسمہ پایا مسیح کو پہن لیا۔ نہ یہودی ہے نہ یونانی، نہ غلام نہ آزاد، نہ مرد نہ عورت کیونکہ تم سب مسیح عیسیٰ میں ایک ہو اور اگر تم مسیح کے ہو تو ابراہیم کی نسل اور وعدے کے مطابق وارث ہو" (گلتیوں ۳:۲۶،۲۹)۔ مقدس یوحنا نے بھی اپنے زمانہ کے مسیحیوں کو یوں لکھا "اے پیارو آؤ ہم ایک دوسرے سے محبت رکھیں کیونکہ محبت خدا سے ہے اور ہر ایک جو محبت رکھتا ہے سو خدا سے پیدا ہوا ہے اور خدا کو پہچانتا ہے۔ جس میں محبت نہیں سو خدا کو نہیں جانتا کیونکہ خدا محبت ہے۔۔۔ اور وہ جو محبت میں رہتا ہے خدا میں رہتا ہے اور خدا میں۔" (ایوحنا: ۴:۷، ۸،۱۶)۔

علاوہ اس کے انجیل خدا کی وحدت کو بڑی صفائی سے ظاہر کرتی ہے جو کچھ اس کی بابت موسوی شریعت میں بیان کیا گیا تھا وہ ایسا صاف و صریح نہ تھا۔ انجیل بیان کرتی ہے کہ جس طرح کامل خدا ایک بے نظیر وحدت ہے۔ اسی طرح وہ اپنے کمال کو ایک مکمل ہستی میں ظاہر کرتا ہے جس سے کہ خدا

بذاتِ خود ایک پُرجلال اور نہایت اعلیٰ اور خوشی سے بھرپور ہستی ثابت ہوتا ہے اور اس ہستی کو وہ تین اقانیم میں یعنی باپ بیٹے اور روح القدس میں ظاہر کرتا ہے اور جس طرح ان تین اقانیم نے جو کہ بلحاظ اپنے جوہر کے ایک ہیں کل عالم کو اور ہر شے کو جو اس میں ہے پیدا کیا اسی طرح سے یہی تین انسانوں کی شیطان گناہ اور موت سے نجات کا سبب اولے ہیں۔

الہٰی ذات کے ان تین اقانیم کا ذکر خدا کی وحدت میں شامل ہیں اور جس کو مسیحی عالموں نے لفظِ تثلیث سے بیان کیا ہے انجیل کے کئی مقامات میں پایا جاتا ہے جہاں پر بعض دفعہ بیٹے کو اور بعض دفعہ روح القدس کو الہٰی صفات سے ملبوس کیا گیا ہے۔ بیٹے کی بابت یوحنا ۱: ۱ کو دیکھئے "ابتدا میں کلام تھا او رکلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا" (آیات ۱۴ تا ۱۷ دیکھئے) پھر یوحنا ۵: ۲۰: ۲۳ میں یوں لکھا ہے کہ "اس لئے کہ باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور سب کچھ جو خود کرتا ہے اسے دکھاتا ہے اور وہ ان سے بڑے کام سے دکھائیگا کہ تم تعجب کروگے۔ اس لئے کہ جس طرح باپ مردوں کو اٹھاتا ہے اور جلاتا ہے بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جلاتا ہے کیونکہ باپ کسی شخص کی عدالت نہیں کرتا بلکہ اس نے ساری عدالت بیٹے کو سونپ دی تاکہ سب بیٹے کی عزت کریں جس طرح سے کہ باپ کی عزت کرتے ہیں۔ جو بیٹے کی عزت نہیں کرتا باپ کی جس نے اسے بھیجا ہے عزت نہیں کرتا۔" بعض دفعہ روح القدس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کی طرف سے ایمانداروں پر نازل ہوتا ہے جیسے کہ یوحنا ۱۴: ۲۶ میں لکھا ہے "لیکن وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائیگا اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تم سے کہیں تمہیں یاد دلائیگا" (دیکھو یوحنا ۱۴: ۲۶۔ ۱۶: ۷۔ ۲۰: ۲۲) اسی روح القدس کی بابت خطِ اول کرنتھیوں ۲: ۱۰، ۱۱ میں یوں لکھا ہے کہ "روح ساری چیزوں کو بلکہ خدا کی گہری باتوں کو بھی دریافت کر لیتی ہے کہ آدمیوں میں سے کون آدمی کا حال جانتا ہے مگر آدمی کی روح جو اس میں ہے" اسی طرح خدا کی روح کے سوا خدا کی باتوں کو بھی کوئی نہیں جانتا" الہٰی ذات کے تین اقانیم کا ذکر متی ۲۸: ۱۹۔ ۲ کرنتھیوں ۱۳: ۱۴۔ ایوحنا ۵: ۷ میں پایا جاتا ہے۔ انسان کی نجات کے لئے ان تینوں میں سے ہر ایک کا خاص حصہ ہے۔ خط افسیوں ۱: ۴ میں باپ کی بابت یوں لکھا ہے "خدا نے ہم کو سیدنا مسیح میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر چن لیا" اور یوحنا ۳: ۱۶ میں یوں لکھا ہے "خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے" بیٹے کی بابت یہ لکھا ہے کہ وہ ہمارے گناہوں کے بدلے قربان ہوا تاکہ وہ ہم کو گناہ کی سزا اور گرفتاری سے بچا کر خدا کے ساتھ ملادے (مقابلہ کرو متی ۲۰: ۲۸۔ ۱ تمتھیس ۲: ۶۔ گلتیوں ۳: ۱۳۔ ۱ پطرس ۲: ۲۴۔ کلسیوں ۱: ۱۹، ۲۲) روح القدس کی بابت یہ لکھا ہے کہ وہ ایمانداروں کو پاک کرتا ہے اور ان کو خدا کی ہیکل (بیت اللہ) بناتا ہے دیکھو رومیوں ۱۵: ۱۶۔ ۲ تھسلنیکیوں ۲: ۱۳۔ ۱ کرنتھیوں ۳: ۲۶۔ اور ۶: ۱۹، ۲۰۔ یہ ساری تعلیم کا ۱ پطرس ۱: ۲ میں خلاصتہً یوں بیان ہے جہاں ایمانداروں کو برگزیدہ کہا ہے اور "جو خدا باپ کے اس علم کے موافق جو وہ پہلے سے رکھتا تھا چنے ہوئے ہیں تاکہ روح کی پاکیزگی بخش تاثیر سے فرمانبردار ہوں اور سیدنا مسیح کا خون ان پر چھڑکا جائے۔"

(۲) پرستش کی بابت

جیسی عبادت یا پرستش نئے عہد نامہ میں بیان کی گئی ہے وہ پرانے عہد نامے کی پرستش سے زیادہ اعلیٰ اور روحانیت کی طرف مائل کرنے والی ہے احبار اور استثنا کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ موسوی شریعت زیادہ تر رسومات کے پورا کرنے ظاہری پاکیزگی بجالانے وقتوں اور موسموں کو مد نظر رکھنے اور مختلف قسم کی قربانیوں پر زور دیتی ہے۔ برعکس اس کے بجائی اس کے سیدنا عیسیٰ کوئی نئی قبلہ گاہ مقرر کرتا یا اور رسومات جاری کرتا سامریہ کی عورت کو یوں کہتا ہے "اے عورت یقین جان کہ وہ گھڑی آتی ہے جبکہ نہ اس پہاڑ پر نہ یروشلیم میں باپ کی پرستش کروگے لیکن سچے پرستار باپ کی روح

اور راستی سے پرستش کرینگے۔ کیونکہ باپ یہی چاہتا ہے کہ اس کے پرستار ایسے ہی ہوں۔"(یوحنا ۴: ۲۱، ۲۳) مقدس یعقوب اپنے خط کے پہلے باب کی ۲۷ آیت میں یوں لکھتا ہے " وہ دینداری جو خدا اور باپ کے آگے پاک اور بے عیب ہے سو یہی ہے کہ یتیموں اور بیواؤں کی مصیبت کے وقت ان کی خبر گیری کرنی اور آپ کو دنیا سے بے داغ بچار کھنا" انجیل کی تعلیم کے مطابق خدا ہم سے یہ نہیں چاہتا کہ ہم ظاہری رسومات کو مثلاً ہاتھ پاؤں دھونا (وضو کرنا) جماعت سے نماز پڑھنا روزے رکھنا۔ خاص خاص عبادت گاہوں میں جانا اور ایسی ایسی باتوں کو کرنا۔ لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم سب سے پہلے گناہ سے توبہ کریں۔ مسیح پر جو کہ گنہگاروں کا بچانے والا ہے ایمان لائیں۔ اپنے دل کو بدل دیں اور گناہ سے پاکیزگی کی طرف اس طور سے پھریں کہ وہ زندگی نئی زندگی کہلا سکے اور اس کے بعد اپنی ساری زندگی اس کی مرضی کے مطابق اور اس کے جلال کے لئے بسر کریں۔ اس لئے ہم پڑھتے ہیں کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے اور مسیح نے اپنی خدمت توبہ کی تعلیم سے شروع کی " وقت آپہنچا اور خدا کی بادشاہت نزدیک ہے۔ توبہ کرو اور اس خوشخبری پر ایمان لاؤ کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے (مرقس ۱: ۱۵۔ متی ۳: ۲۔ ۴: ۱۷) رسول بھی اسی طور سے بھیجے گئے کہ وہ لوگوں کو توبہ کے لئے آگاہ کریں دیکھو مرقس ۶: ۱۲ اور اعمال ۲: ۳۸۔ ۳: ۱۹۔ ۱۷: ۳۰۔ ایک دفعہ مسیح نے یہودیوں کے سامنے یہ کہا " میرے باپ (پروردگار) کی مرضی یہ ہے کہ ہر ایک جو بیٹے کو دیکھے اس پر ایمان لا کے ہمیشہ کی زندگی پائے اور کہ میں اسے آخری دن میں اٹھاؤں (یوحنا ۶: ۴۰) ایک اور موقع پر یہ کہا " میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک آدمی از سر نو پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا "(یوحنا ۳: ۳) مقدس یوحنا اپنے پہلے خط کے ۵: ۴ میں یوں لکھتا ہے " جو کہ خدا سے پیدا ہوا دنیا پر غالب ہوتا ہے اور وہ غلبہ جس سے ہم دنیا پر غالب آتے ہیں ہمارا ایمان ہے " ہم کو بتلایا جاتا ہے کہ صرف ایسا ہی ایمان ہم کو نجات دلا سکتا ہے اور کوئی انسان ظاہری رسومات کے ادا کرنے سے اور ظاہری شریعت کی پابندی سے بچ نہیں سکتا۔ گلیتوں ۲: ۱۶ میں یوں لکھا ہے " یہ جانکر کہ آدمی نہ شریعت کے کاموں سے پر سیدنا مسیح پر ایمان لانے سے راستباز گنا جاتا ہے ہم بھی سیدنا مسیح پر ایمان لائے تا کہ ہم مسیح پر ایمان لانے سے نہ کہ شریعت کے کاموں سے راستباز گنے جائیں کیونکہ کوئی بشر شریعت کے کاموں سے راستباز نہ گنا جائیگا۔ " یہ نجات دینے والا ایمان فضول اور بے فائدہ نہیں اور نہ ہی ایسا ایمان گناہ کی حالت میں رہ کر سکتے ہیں کیونکہ بہت سے مقامات سے صاف ظاہر ہے۔ ۲ پطرس ۱: ۵، ۸ میں یوں لکھا ہے " پس اس واسطے تم اپنی طرف سے کمال کوشش کر کے اپنے ایمان پر نیکی اور نیکی پر عرفان، عرفان پر پرہیزگاری، پرپرہیزگاری پر صبر، صبر پر دینداری اور دینداری پر برادرانہ الفت اور برادرانہ الفت پر محبت بڑھاؤ کہ یہ چیزیں اگر تم میں ہوں اور بڑھتی بھی جائیں تو تم کو ہمارے سیدنا مسیح کی کامل پہچان حاصل کرنے کے لئے غافل اور بے پھل نہ ہونے دینگی " مقدس پولوس رومیوں ۱۲: ۱ میں یوں لکھتا ہے ہے " پس اے بھائیو میں خدا کی رحمتوں کا واسطہ دے کے تم سے التماس کرتا ہوں کہ تم اپنے بدنوں کو گذرانوں تا کہ ایک زندہ قربانی مقدس اور خدا کے لئے پسندیدہ ہوں کہ یہ تمہاری عقلی عبادت ہے " اور کرنتھیوں کو ا کرنتھیوں ۱۰: ۳۱ میں یوں لکھتا ہے " پس تم کھاتے پیتے یا جو کچھ کرتے ہو سب خدا کے جلال کے لئے کرو " بجائے اس کے کہ مقدس پولوس دعا کا وقت اور اس کے لئے کوئی خاص جگہ بتلائے وہ مسیحیوں کو دعائیہ زندگی بسر کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہوا کہتا ہے " نت دعا مانگو "(دیکھو ا تھسلنیکیوں ۵: ۱۷ اور رومیوں ۱۲: ۱۲) عبرانیوں ۱۰: ۱، ۱۴ میں مسیحی قربانی کے طریقہ کو یوں بیان کرتا ہے " کیونکہ شریعت جو آنے والی نعمتوں کی پرچھائیں ہے اور ان چیزوں کی حقیقی صورت نہیں سال بسال انہی قربانیوں سے جو وہ ہمیشہ گذرانتے ہیں ان کو جو پاس آتے ہیں کبھی کامل نہیں کر سکتی۔۔۔۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ بیلوں اور بکروں کا لہو گناہوں کو مٹائے۔ اس لئے وہ (سیدنا مسیح) دنیا میں آتے ہوئے کہتا ہے۔۔۔۔ " دیکھ اے خداوند میں آتا ہوں کہ تیری مرضی بجالاؤں۔۔۔۔ کیونکہ اس نے ایک ہی قربانی سے مقدسوں کو ہمیشہ کے لئے کامل کیا " اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسومات جو احبار کی کتاب میں

درج ہیں صرف مسیح کے کفارے کی موت کو اور ان برکتوں کو جو اس سے حاصل ہوتی ہیں جتلاتی تھیں اور جب حقیقت ظاہر ہوئی تو نقل کی ضرورت نہ رہی (دیکھو کلسیوں ۲:۱۶،۱۷)۔

(۳) خدا کی بادشاہت کی بابت

خدا کی بادشاہت سے مراد ایک ایسا ذریعہ ہے جس کو خدا نے خود بنی آدم کو گناہ اور شیطان کے پھندے سے بچانے کے لئے اور اس کو اپنے ساتھ پھر بحال کرنے کے لئے اور آسمان کے لئے تیار کرنے کے لئے اپنی بڑی کمال رحمتِ سے استعمال کیا۔ موسوی شریعت میں یہ خدا کی بادشاہت صرف ایک خاص قوم کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ بنی اسرائیل ہی خدا کی برگزیدہ قوم تھے خروج ۱۹:۵، استثنا ۱۰:۵ جو کہ کاہنوں کی سلطنت اور پاک قوم کہلاتے تھے خروج ۱۹:۶ اور خدا بھی ان کو اپنا پلوٹھا بیٹا کہکر پکارتا ہے خروج ۴:۲۲ بنی اسرائیل ہی بادشاہت کے فرزند تھے متی ۸:۱۲۔ ۲۱:۴۳ اور انہی کی یروشلیم کی ہیکل (بیت اللہ) میں خدا بود و باش کرتا ہوا بتلایا گیا اور رویِ زمین پر اس کا ٹھکانا کہیں نہ تھا (دیکھو استثنا ۱۴:۵، ۱۱ اور مقابلہ کرو ۲ کرنتھیوں ۷: ۱۶ اور نحمیاہ ۱:۹) دنیا کی اور قوم میں جہالت میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ اعمال ۱۷:۳۰ اور اپنے اپنے طریقوں پر چل کر ہلاک ہوتی تھیں اعمال ۱۶:۱۶۔ اور اگر کوئی غیر قوم خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا چاہتا تھا تو اس کو پہلے ختنہ کروانا اور قوم یہود میں شراکت پیدا کروانی پڑتی۔ خروج ۱۲:۴۸۔ اگر کوئی ان رسومات کو ادا نہ کرتا تو یہودی جو کہ ان میں اپنا فخر سمجھتے تھے (رومیوں ۲:۱۶، ۲۰) اس آدمی کو حقیر جانتے اور کسی بات میں شامل نہ کرتے تھے (اسموئیل ۳۱:۴، افسیوں ۲:۱۱) مسیح کے آنے پر خدا کی بادشاہت کا یہ قومی پہلو جاتا رہا جو کہ صرف یہودیوں کے لئے خیال کی جاتی تھی اور برعکس اس کے ایک عام روحانی بادشاہت ہو گئی جو کہ سبھوں کے لئے کھلی ہے۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے صاف یہودیوں کو کہا "یہ خیال نہ کرو کہ ابراہیم تمہارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے" متی ۹:۲، ۳، ۹۔ مقدس پولوس رومیوں ۲:۲۸ و ۲۹ میں یوں لکھتا ہے " وہ یہودی نہیں جو ظاہر میں ہے اور وہ ختنہ نہیں جو ظاہری جسم میں ہے۔ مگر یہودی وہی جو باطن سے ہو اور ختنہ وہی جو دل سے ہو۔ روحانی نہ کہ لفظی جس کی تعریف آدمیوں سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہو" ختنہ جو کہ مذہبی رسم خیال کی جاتی تھی انجیل کی رو سے بالکل مٹادی گئی ہے جیسا کہ گلتیوں ۵:۲ سے ظاہر ہے " دیکھو میں پولوس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کی پیروی کرو تو مسیح سے تمہیں کوئی نفع نہیں" اور پھر کلسیوں ۲:۱۱ میں مسیحیوں کو یہ کہتا ہے " اسی میں تمہارا ایسا ختنہ ہوا جو ہاتھ سے نہیں یعنی مسیحی ختنہ جو جسمانی گناہوں کا بدن اتار پھینکنا ہے" سیدنا مسیح نے خود بھی یہ کہا " خدا کی بادشاہت نمود کے ساتھ نہیں آتی اور وہ نہ کہیں گے کہ دیکھو یہاں ہے یا دیکھو وہاں ہے کیونکہ خدا کی بادشاہت تمہارے درمیان ہے" اور پھر اس نے ایک اور موقع پر یہ کہا " میری بادشاہت اس جہان کی نہیں۔ اگر ہوتی تو میرے نوکر لڑتے تاکہ میں یہودیوں کے ہاتھ حوالہ نہ کیا جاتا۔ لیکن میری بادشاہت یہاں کی نہیں۔۔۔۔ میں اسی لئے پیدا ہوا اور اسی کی خاطر میں اس دنیا میں آیا تاکہ میں حق پر گواہی دوں۔ ہر ایک جو حق پر ہے میری آواز سنتا ہے۔" (یوحنا ۱۸: ۳۶، ۳۷) اسی طرح مقدس پولوس بھی کہتا ہے " کیونکہ مسیح میں نہ مختونی نہ نامختونی کا کچھ فائدہ ہے لیکن ایمان جو کہ محبت سے ہو" گلتیوں ۵:۶ اور پھر یوں لکھتا ہے " خدا کی بادشاہت کھانا پینا نہیں بلکہ راستبازی سلامتی اور خوشی ہے جو کہ روحِ پاک سے حاصل ہوتی ہے" (رومیوں ۴:۱۷)

(۴)بدلہ کی بابت

موسوی شریعت میں بدلہ لینے کی تعلیم ہے۔جب کوئی شخص ناجائز طور سے قتل کیا جاتا تو مقتول کے رشتہ دار خون کا بدلہ لینے والے کہلاتے اور یہ ان کا فرض گنا جاتا تھا کہ قاتل کو مار ڈالیں۔ گنتی ۳۵:۱۹ میں یوں لکھا ہے "وہ شخص جو مقتول کا ولی ہے خونی کو آپ ہی قتل کرے۔جب وہ اسے پائے اسے مار ڈالے "اگر قاتل پناہ کے شہروں میں بھاگ کر پناہ لے تو استثنا ۱۹: ۱۲ میں شہر کے سرداروں کو یوں حکم دیا ہے "کہ قاتل وہاں پکڑوا منگوایا جائے اور مقتول کے وارث کے ہاتھ میں حوالہ کیا جائے تاکہ وہ مار ڈالا جائے۔"دوسرے قصوروں کے بارے میں بھی بدلہ ہی کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ احبار ۲۴:۱۹، ۲۰ میں لکھا ہے "اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کریگا ویسا پائیگا۔توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے" یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم ملکی کار گزاری کے لئے دئے گئے تھے اور بلاشک یہ اس موقع زمان اور مکان کے موضوع تھے لیکن تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی زیادہ تر حکموں کی لفظی پیروی کرتے تھے اور ان حکموں کو انہوں نے ہر جگہ عائد کر لیا مثلاً اپنے ذاتی اور خانگی کاروبار میں انہیں پر لفظ بلفظ عمل کرتے تھے، لہذا مسیح کے لئے یہ لازم ہوا کہ ان الفاظ کو کہے جو کہ متی ۵: ۳۸، ۳۹ میں پائے جاتے ہیں "تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ہے لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کر لیکن جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے بایاں بھی اس کی طرف پھیر دے "ان الفاظ کا مطلب اس نے اپنی زندگی سے ظاہر کیا۔ ا پطرس ۲: ۲۳ میں یوں لکھا ہے "وہ گالیاں کھا کے گالی نہ دیتا تھا اور دکھ پا کے دھمکاتا نہ تھا۔لیکن اپنے تئیں اس کے جو راستی سے عدالت کرتا ہے سپرد کرتا تھا "اس کے رسولوں کی تعلیم سے بھی وہی فروتنی اور حلیمی کی تعلیم ظاہر ہوتی ہے دیکھو رومیوں ۱۲: ۱۹ اے عزیزو اپنا انتقام مت لو بلکہ غصے کی راہ چھوڑ دو کیونکہ یہ لکھا ہے کہ خداوند کہتا ہے انتقام لینا میرا کام ہے "اور مقدس پطرس اپنے پہلے خط کے ۲: ۱۹، ۲۱ میں یہ کہتا ہے کہ "اگر کوئی خدا کے لحاظ کے سبب سے بے انصافی سے دکھ اٹھا کر ایسی تکلیفوں کی برداشت کرے تو یہ فضیلت ہے کیونکہ اگر تم نے گناہ کر کے طمانچے کھائے اور صبر کیا تو کونسی فخر کی بات ہے پر اگر نیکی کر کے دکھ پاتے اور صبر کرتے ہو تو اس میں خدا کے نزدیک تمہاری فضیلت ہے کیونکہ تم اسی کے لئے بلائے گئے ہو کہ مسیح بھی ہمارے ساتھ دکھ پا کے ایک نمونہ ہمارے لئے چھوڑ گیا تاکہ تم اس کے نقش قدم پر چلے جاؤ "اب اگر یہ پوچھا جائے کہ یہی ہدایت موسوی شریعت میں کیوں اس صفائی سے نہ دی گئی تو ہم یہ بلا تامل مان لیں کہ ہم الہیٰ بھیدوں کو نہیں جان سکتے۔لیکن تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ پیشتر مسیح کی موت سے جو کہ سبھوں کا کفارہ ہے کسی صاف اور واضح صورت میں گناہ کی گندگی کو دور کر کے گنہگار پر رحم کرنے کی حالت کو ظاہر نہ کیا تھا اور اگر اسی حالت میں ایسی گناہوں کی معافی پیش کی جاتی تو ممکن تھا کہ آدمی اخلاقی اور روحانی برائی کی حقیقت کو نہ پہچانتے۔اس کا سب کچھ ہی تو بھی یہ صاف ظاہر ہے کہ نئے عہد میں بہ نسبت پرانے عہد کے اعلیٰ روحانی درجہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۵)غلامی کی بابت

یہ کئی وجوہات سے ثابت ہے کہ وہ غلام جو کہ بنی اسرائیل میں تھے بہ نسبت ان کے جو غیر اقوام کے پاس تھے بدرجہا بہتر حالت میں تھے۔ کیونکہ ایک تو ان کو سبت کے روز نہ صرف کام کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ خاص ممانعت تھی (استثنا ۵: ۱۴) اور پھر وہ قومی عیدوں میں شامل ہوتے تھے (خروج ۱۲: ۴۴۔استثنا ۱۶: ۱۰، ۱۱) اگر کوئی غلام کو قتل کرتا تو قانوناً سزا پاتا (خروج ۲۱: ۱۰) اور اگر کوئی مالک ایسے طور سے غلام کو سزا دیتا کہ اس کے بدن کے اعضا کو نقصان پہنچتا تو اس کو آزاد کرنا پڑتا ہے (خروج ۲۱: ۲۶، ۲۷) عام طور پر بنی اسرائیل کو یہ حکم تھا کہ غلاموں کے ساتھ اپنی مصر کی غلامی

کو یاد کر کے سلوک کرو(استثنا۱۵: ۱۲) باوجود ان باتوں کے موسوی شریعت نے غلامی کی رسم کو دور نہ کیا بلکہ جاری رکھا اور غیر قوموں میں سے جو غلام تھے ان کو بنی اسرائیل کا خدمت گزار مانا(احبار ۲۵: ۳۹،۴۶) لیکن بر عکس اس کے انجیل میں غلامی کی سخت ممانعت ہے۔ کیونکہ جس طرح مسیحی مذہب انسان کو اعلیٰ روحانی آزادگی کی طرف مائل کرتا ہے جیسا کہ مسیح نے یہودیوں سے کہا "اگر بیٹا تم کو آزاد کرتا ہے تو تم تحقیق آزاد ہو گے "اسی طرح یہ حکم بھی دیتا ہے "پس جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں ویسا تم بھی ان کے ساتھ کرو"(متی ۷: ۱۲) کوئی درجہ یا رتبہ کسی انسان کو انجیل کی برکت سے جدا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ برکت ہر ایک جو ایمان لاتا اور بپتسمہ پاتا ہے ملتی ہے جیسا کہ گلتیوں ۳: ۲۶،۲۸) میں لکھا ہے "تم سب کے سب اس ایمان کے سبب سے جو سیدنا مسیح پر ہے خدا کے فرزند ہو کہ تم سب جتنوں نے مسیح میں بپتسمہ پایا مسیح کو پہن لیا نہ یہودی نہ یونانی ہے نہ غلام نہ آزاد نہ مرد نہ عورت کیونکہ تم سب مسیح میں ایک ہو" مسیح نے یہ نہ چاہا کہ یک لخت اس کی تعلیم سے غلامی بند ہو جائے اور دنیا میں ایک ہل چل مچ جائے لیکن اس کی تعلیم کی رو سے آہستہ آہستہ یہ بُری رسم بند ہوتی ہو گئی۔ گناہ اور شیطان سے آزادگی اتنی بڑی خیال کی جاتی ہے کہ مقدس پولوس کہتا ہے کہ انسان کی غلامی قابلِ برداشت ہے بہ نسبت گناہ اور شیطان کی غلامی کے لیکن تو بھی وہ ہر ایک مسیحی غلام کو کہتا ہے کہ وہ اپنی آزادگی حاصل کرنے کے لئے کوشش کرے کیونکہ سیدنا مسیح میں آزاد شخص کے لئے غلامی موزون نہیں۔ یہ تعلیم ہم کو اکرنتھیوں ۷: ۲۰،۲۳ میں ملتی ہے "اگر تو غلام کی حالت میں بلایا گیا تو اندیشہ نہ کر پر اگر تو آزاد ہو سکتا ہے تو اسے اختیار کر کیونکہ وہ غلام جو خداوند میں ہو کے بلایا گیا خداوند کا آزاد کیا ہوا ہے اور اسی طرح وہ جو آزاد کی حالت میں بلایا گیا مسیح کا غلام ہے۔ تم داموں سے خریدے گئے ہو آدمیوں کے غلام نہ بنو" مسیحی مذہب کا یہ میلان اس کی تواریخ سے ثابت ہے کیونکہ جس جس ملک میں انجیل کی تعلیم گئی پہلے وہاں غلاموں کی حالت بہتر بنائی گی اور پھر رفتہ رفتہ غلامی بالکل موقوف ہوئی۔

(۶) ایک سے زیادہ نکاح اور طلاق کے بارے میں

اگرچہ موسوی شریعت میں عورتوں کے حقوق بہ نسبت غیر قوم عورتوں کے حقوق کے اچھے ہیں مگر تو بھی طلاق دینا بالکل مرد کے ہاتھ میں تھا جو کہ جب چاہے اس کو اپنے ہاں سے نکال سکتا تھا جیسا کہ ہم استثنا ۲۴: ۱، ۲ میں پڑھتے ہیں "اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے بیاہ کرے اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس میں کچھ پلید بات پائی تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھوں میں دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے اور جب وہ اس کے گھر سے باہر نکل گئی تو جا کے دوسرے مرد کی ہو" موسوی شریعت کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں خاوند کے اختیارات کو ذرا روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنی طلاق دی ہوئی جورو کو جو کہ دوسرے کی جورو ہو چکی ہے کسی صورت سے واپس نہیں لا سکتا(دیکھو استثنا ۲۴: ۳،۴) اور ملاکی ۲: ۱۶ میں یہ صاف طور سے لکھا ہے کہ طلاق دینا خدا کی مرضی کے خلاف ہے اسی طرح سے پیدائش کی کتاب میں لکھا ہے کہ خدا کی پاک مرضی یہ ہے کہ جب آدمی شادی کرے تو "وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اسی سے ملا رہے گا اور وہ ایک بدن ہونگے "پیدائش ۲: ۲۴ لیکن شریعت میں کوئی ایسے خاص قانون نہ تھے جن سے یہ طریقے مانے جاتے اور نکاح کی پاکیزگی کو خراب نہ کیا جاتا۔ اس شادی کی رسم سے خدا نے ایک مرد اور ایک عورت کو جوڑا بنایا(دیکھو پیدائش ۱: ۲۷ اور ۲: ۲۱،۲۵) مگر شریعت میں اگرچہ ایک عورت سے شادی کرنے کی پاک رسم کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس کو سب سے بہتر بھی قرار دیا ہے پر تو بھی ایک سے زیادہ کے ساتھ شادی کرنے اور لونڈیاں رکھنے کی ممانعت نہیں کی اور بر عکس اس کے اس کو جائز قرار دیا جیسا کہ مفصلہ ذیل حوالوں سے معلوم ہوتا ہے(استثنا ۲۱: ۱۵)۔ خروج ۲۱: ۸،۱۰۔ ا سموئیل ۳: ۷ اور ۱۲: ۵۔

لیکن سیدنا مسیح نے اس بات پر خدا کی مرضی کو ایسے صاف طور سے ظاہر کیا کہ اس کے سمجھنے میں ہر گز غلطی نہیں ہو سکتی متی ۱۹: ۲،۹ میں ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ اس کے دشمنوں نے اس کو پھنسانے کی غرض سے یہ سوال پوچھا "کیا یہ روا ہے کہ مرد ہر ایک سبب سے اپنی جورو کو چھوڑ دے؟" اس نے ان کو جواب دیا "کیا تم نے نہیں پڑھا کہ اس نے جس نے انہیں شروع میں بنایا ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت بنایا اور فرمایا اس لئے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے ملا رہیگا اور وہ دونوں ایک تن ہونگے۔ اس لئے اب وہ دو نہیں پر ایک تن ہیں۔ پس جسے خدا نے جوڑا انسان نہ توڑے" اور اس نے بتلایا کہ ان کا خیال بالکل غلط تھا اور کہ وہ موسوی شریعت کے مطابق راست نہیں ٹھہر سکتا "موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب تم کو اپنی جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر شروع سے ایسا نہ تھا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو سوائے زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عوت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔"

ان مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح شادی کے وہی معنی لیتا ہے جس کی رو سے یہ میل ایک عورت اور ایک مرد میں زندگی بھر کا میل ہو۔ ایک سے زیادہ کے ساتھ شادی کرنا اس کی نگاہ میں زناکاری کا جرُم تھا کیونکہ جبکہ وہ اس آدمی کو جو چھوڑی ہوئی عورت سے شادی کرے زناکار کہتا ہے تو اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ وہ بھی دوسری عورت سے شادی کرتا ہے جبکہ ایک اس کے ہاں ہے زناکار ہے۔ دوسری شادی سے زناکاری اس طور سے ٹھہرتی ہے کہ جبکہ پہلی جورو زندہ ہے تو دوسری شادی کرنا گویا زنا کرنا ہے۔ اس لئے رسولوں نے بھی ایک ہی بیوی رکھنے کی تعلیم دی ہے اور جب جب انہوں نے اپنے زمانہ کی مسیحی شادی شدہ زندگی کا ذکر کیا ہے تو ہمیشہ ایک شادی والی زندگی کا ذکر کیا تو ہمیشہ ایک شادی والی زندگی کا ذکر کیا مقدس پولوس ا کرنتھیوں ۷: ۲ میں یوں لکھتا ہے "لیکن حرامکاری سے بچ رہنے کو ہر مرد اپنی جورو اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے" اور پھر ۷: ۱۲، ۱۳ میں یوں لکھتا ہے "اگر کسی بھائی کی جورو بے ایمان ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنے کو راضی ہو تو وہ اس کو نہ چھوڑے یا کسی عورت کا شوہر بے ایمان ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنے کو راضی ہو تو وہ اس کو نہ چھوڑے" پھر افسیوں ۵: ۳۳ میں یوں لکھتا ہے "بہر حال ہر ایک تم میں اپنی اپنی جورو کو ایسا پیار کرے جیسا کہ آپ کو اور عورت اپنے شوہر کا ادب کرے" مسیحی مذہب جبکہ نکاح کی پاکیزہ اور پایدار رسم کو اس مستحکم اور صاف طور سے جتلاتا ہے تو اس کی غرض یہ ہے کہ وہ عورت کی اس گری ہوئی حالت کو بحال کرے جو کہ غیر اقوام کے مذاہب میں پائی جاتی ہے اور نیز اس جگہ سے اوپر اٹھائے جہاں موسوی شریعت نے اس کو ادھوری حالت میں چھوڑ دیا اور اس طور سے عورت کو خدا کی ایک آزاد فرزند اس کی بادشاہت کی مستحق اور آنے والے جلال کی وارث بناتا ہے (۱ پطرس ۳: ۷)

دوسرا باب

اسلام اور مسیحی مذہب کا باہمی تعلق

یا

کیا وہ مذہب جس کا ذکر انجیل میں ہے قرآن کے مذہب میں تبدیل ہو سکتا ہے؟

پہلی فصل

کیا اسلام نے بحیثیت مذہب کبھی دینی و دنیاوی برکات پھیلانے اور بنی آدم کو اپنی طرف مائل کرنے میں مسیحیت پر فوقیت حاصل کی ہے؟

پہلے حصہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جیسا ہم نے مسیحی تعلیم اور موسوی شریعت کا مقابلہ کر کے دیکھا کہ مسیحی مذہب بہ نسبت یہودی کے خدا کے مکاشفہ کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ اگر کوئی اس بات کو سمجھ کر پھر اسی پرانی تعلیم پر چلے تو خدا کا گنہگار ٹھہرتا ہے۔ اب اس حصہ میں ہم غور کرینگے کہ آیا اسلام بالمقابل مسیحی مذہب کے اس رشتہ میں ہے جیسا کہ مسیحی مذہب یہودی مذہب کے رشتہ میں تھا یا کہ آیا یہ خدا کے مکاشفہ کا ایک بالاتر درجہ ہے؟ اور اگر بلا تعصب اس پر غور کرتے ہوئے ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ واقعی ایسا ہے تو ایک مسیحی کا فرض ہے کہ محمدی ہو جائے اور برعکس اس کے اگر یہ ایسا ثابت نہ ہو تو ہر ایک روشن ضمیر محمدی پر ظاہر ہو گا کہ اس کا فرض اس بڑے اہم مسئلہ میں کیا ہے۔ اس بات پر بلا رورعایت غور کرنے کے لئے ہم مسیحی اور اسلام کا مقابلہ اسی طرح کرینگے جس طرح مسیحی اور یہودی مذہب کا کیا گیا اور انہی تعلیمات پر غور کرینگے جن پر غور کیا گیا ہے۔ اس طرح مقابلہ کرتے ہوئے ہم یہ دریافت کرنے کی کوشش کرینگے کہ آیا اسلام بالمقابل مسیحی مذہب خدا کے مکاشفہ کا ایک بالاتر درجہ ہے یا نہیں؟

مسیحی مذہب کی بابت ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ مذہب ایک پرزور اور دنیا کو مغلوب کرنے والا مذہب تھا جو کہ بنی آدم کے درمیان بہت جلد پھیل گیا اور جس کی رو سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا اور حقیقی مذہب بنی نوع انسان کو پیش کیا گیا۔ اسی طور سے ہم نے یہودی مذہب میں دیکھا کہ کیونکر وہ زائل ہو گیا جبکہ قوم یہود نے خداوند قادرِ مطلق کے نئے ذریعہِ نجات کو جو مسیح اور اس کی تعلیم میں پیش کیا گیا تھا رد کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ پرانا مذہب اس نئے مذہب میں تبدیل ہو کر جاتا رہا۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ جبکہ اسلام نازل ہوا تو مسیحی مذہب اس میں تبدیل ہو کر جاتا رہا مگر پیشتر اس سے کہ ہم اس کو قبول کرنے کے لائق سمجھیں ہم یہ دریافت کرینگے کہ آیا محمدی مذہب بہ نسبت مسیح کے مذہب کے زیادہ پُراثر اور لوگوں کو مفتوح کرنے والا ہے یا نہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی دریافت کرینگے جیسا کہ دعویٰ ہے کہ اسلام خدا کی طرف سے نازل ہوا اور کیا خدا کے انتظاماتِ دنیا میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسیحی مذہب سے روحانیت زائل ہو گئی اور مسیحی قوم سے سب برکتیں لے لی گئیں اور کہ اس کا اثر دنیا کی اقوام پر نہ پڑا؟

اسلام میں بہت صداقتیں ہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ ان کا اثر لوگوں پر پڑے۔ جبکہ محمد صاحب نے تعلیم دینی شروع کی تو اہلِ عرب بت پرست تھے اور کعبہ میں تین سو سے زیادہ بُت تھے لہذا یہ واحد خدا کی تعلیم جو کہ "لاالٰہ الااللہ" میں ظاہر ہے بڑا گہرا اثر ان لوگوں پر ہوا جو بُت پرستی کو ہیچ اور ناچیز سمجھتے تھے لیکن جو سوال درپیش ہے وہ یہ ہے کہ آیا اسلام مسیحی مذہب سے زیادہ پر اثر اور دلوں کو مغلوب کرنے والا مذہب ہے یا نہیں؟

دونوں مذاہب کے اثرات پر غور کرتے ہوئے یہ بات ذرا مشکل سے فیصلہ ہو گی کہ کون سا مذہب کس وجہ سے جلد پھیل گیا کیونکہ مسیحی مذہب کو تین سو برس تک ملکی عروج حاصل نہ ہوا جبکہ اسلام ہجرت کے وقت سے نہ صرف ایک مذہب ہی رہا بلکہ زیادہ حکومت میں تبدیل ہو گیا۔ اس حالت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون سے اثرات مذہبی تھے اور کون سے ملکی۔ لیکن اگر ملکی اختیارات کے زمانہ کو برطرف کر دیا جائے اور اس زمانہ کی مذہبی تعلیم پر غور کیا جائے جبکہ مدینہ جانے سے پیشتر محمد صاحب نے مکہ میں صرف مذہبی تعلیم دی تو مقابلہ صفائی سے ہو سکتا ہے۔ اس زمانہ میں جو کہ قریباً تیرہ سال کا تھا اس مذہب کی بابت تعلیم دینے والے صرف محمد صاحب ہی تھے مسیحی مذہب کے شروع میں بھی صرف مسیح ہی نے تعلیم دی جو کہ صرف تین سال میں تمام ہوئی۔ اب ہم غور کریں کہ ان دو زمانوں کی تعلیمات کا کیا کیا اثر ہوا یعنی مسیح کی تعلیم نے کیا اثر پیدا کیا اور محمد صاحب کی تعلیم نے کیا اثر پیدا کیا؟ لوقا ۶: ۱۳ میں ہم پڑھتے ہیں کہ مسیح نے بہت سے شاگردوں میں سے صرف بارہ رسولوں کو چنا اور پھر لوقا ۱۰: ۱ میں پڑھتے ہیں کہ اس نے اور ستر کو منادی کرنے کے لئے بھیجا۔ متی ۲۱: ۴۶ میں لکھا ہے کہ اس کے دشمن سردار کاہن اور فریسیوں نے اس واسطے اس پر ہاتھ نہ ڈالے کہ وہ عوام سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اس کو (مسیح کو) نبی جانتے تھے۔ یوحنا ۷: ۴۰، ۴۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اس کی تعلیم سن کر کہا کہ یہ سچ مچ ایک نبی ہے اور اوروں نے کہا "یہ مسیح ہے" اعمال ۱: ۱۵ میں اس کے ۱۲۰ شاگردوں کی جماعت کا ذکر ہے اور پھر اکرنتھیوں ۱۵: ۶ سے ظاہر ہے کہ وہ (مسیح) اپنے جی اٹھنے کے بعد چالیس دن تک جبتک کہ آسمان کو نہ گیا وہ پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو اور ایماندار مسیحیوں کو دکھائی دیتا رہا۔

برعکس اس کے جب ہم عربی تاریخ نویسوں مثلاً کاتب الواقدی ابن ہاشم طبری ابن سعد کی طرف رجوع ہوتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ محمد صاحب کے پہلے پیرو انہی کی بیوی خدیجہ ان کا متبنیٰ بیٹا زید اس کا بھائی علی اور اس کا دوست ابو بکر اور چند ایک اور غلام جو کہ ابو بکر کی دولت سے فیضیاب ہوئے تھے۔ عمر جو کہ ارقم خاندان سے تھا اس کے اسلام قبول کرنے کے وقت یا اس زمانہ تک جب محمد صاحب نے چھ یا سات برس تک اس مذہب کی منادی کی ان کے پیرو صرف پچاس تھے جن میں سے ۴۵ مرد اور قریباً ۱۰ عورتیں تھیں اور جبکہ وہ اس ظلم کے باعث جو مکہ میں ہوا ابی سینیا کو بھاگ گئے تو ان کا شمار ۱۰۱ تھا یعنی ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں۔ یہی شمار ہجرت کے وقت تک محمد صاحب کے پیروں کا تھا کیونکہ کاتب الواقدی لکھتا ہے کہ وہ جو کہ جنگِ بدر میں محمد صاحب کی طرف سے لڑے قریباً ۸۳ تھے اور یہ بھی ذکر ہے کہ ہجرت کے وقت ان پیروؤں کا شمار جو مدینہ میں ہوئے ۷۵ تھا جن میں سے ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں تھیں۔ اس شمار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیح اور محمد صاحب کی کامیابی محض مذہبی بنیاد ڈالنے والوں کی حیثیت میں اور بلا دنیاوی طاقت اور مدد کے کہاں تک ہوئی۔ محمد صاحب کے پیروؤں کا شمار مرد اور عورت ملا کے تیرہ سال کے کام کے بعد ۱۸۰ تھا اور برعکس اس کے مسیح کے پیروؤں کا شمار صرف تین سال کی خدمت کے بعد پانچ سو سوائے عورتوں کے تھا۔

اس زمانہ کے بعد مسیحی اور اسلام کے پیروؤں کے شمار میں بڑا فرق ہو گیا لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فرق صرف اسی لحاظ سے ہوا کہ مسلمان بہادر اور جنگجو لوگ تھے نہ اس لحاظ سے کہ بالمقابل مسیحی مذہب کے اسلام لوگوں کے دلوں پر زیادہ اثر ڈال کر تبدیل کر سکا۔

مسیح کی موت کے تین سو برس بعد تک مسیحی مذہب پر سخت ظلم پہلے یہودیوں کی طرف سے پھر غیر مسیحی زبردست سلطنت روما کی طرف سے ہوئے۔ یہ سلطنت اس وقت کی تمام دنیا پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کے سلاطین جزائر برطانیہ سے ہندوستان تک اور سکینڈینیویا سے افریقہ کے

صحرائے اعظم تک حکمراں تھے۔اس سلطنت کی طرف سے مسیحی مذہب کی سخت ممانعت تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی مذہب کے مخالف ایک کیسی زبردست طاقت تھی۔ مسیحی کلیسیا کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت روما کی طرف سے مسیح کے پیروؤں کے برخلاف دس خونریز ایذارسانیاں ہوئیں لیکن باوجود ان تکالیف اور مصائب کے جن میں ہزارہا بوڑھے اور جوان مرد عورتیں شہید ہوئے مسیحی مذہب پھیلتا چلا گیا یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ ان شہیدوں کی بردُباری کو دیکھ کر ان کی سرگرم دعاؤں کو سن کر بہادری اور فتحیاب خوشی کو دیکھ کر کئی مرتبہ جلاد بھی مسیحی ہوگئے۔ یہاں تک کہ یہ ضرب المثل ہوگیا کہ شہیدوں کا خون کلیسیا کی بنیاد ہے۔ مسیحی ایمان اور صبر دنیاوی زبردست سلطنت روما سے کہیں زیادہ فتحمند خیال کیا گیا۔ تین صدیوں کے بعد بغیر اس کے کہ تلوار یا دنیاوی طاقت یا قوت کو ناجائز طور سے استعمال کیا ہو مسیحی مذہب اپنی ہی روحانی طاقت وقدرت سے اس کثرت سے پھیل گیا کہ ہزارہا مسیحی سلطنت روما کی فوجوں اور محل سراؤں میں بھی پائے گئے۔ان کا شمار اس وقت جبکہ کانسہٹینٹین بادشاہ جس نے شہر استنبول بنایا مسیحی ہوا اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس نے محسوس کیا کہ مسیحیوں کا زور جن پر طرح طرح کے ظلم ہوتے آئے بہ نسبت غیر قوموں کے زور کے زیادہ اور قوی تر ہے۔کانسہٹینٹین بادشاہ کے عہد کے شروع میں جبکہ یہ ایذارسانیاں ختم ہوگئیں تو مسیحیوں کا شمار کئی لاکھ تھا اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی ہندوستان فارس پارتھیا بکتریا میڈیا آرمینیا میسوپوٹامیہ سیریا عرب مصر افریقہ ایشیا کوچک ترکی یونان اٹلی فرانس سپین اور انگلستان میں بکثرت پائے جاتے تھے۔

یہ بات سچ ہے کہ محمد صاحب کے مدینہ جانے کے بعد اس کے پیرو عرب میں بہت ہوگئے اور ان کی موت کے بعد یہ مذہب بہت سے ممالک میں پھیل گیا ایسا کہ مسلمانوں کا شمار ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچا۔ لیکن کوئی شخص بھی جو کہ اس وقت کی تواریخ سے واقف ہے یہ نہ کہیگا کہ مسلمانوں کی ترقی کا سبب ان کا روحانی زور تھا جس کے باعث لوگ اس کی طرف مائل ہوئے۔ برعکس اس کے کوئی فرقہ یا قوم ایسی نہ تھی جو اسلام قبول کرنے سے پہلے مغلوب نہ کی گئی ہو اور پھر ملکی طاقت اور اثر کی وجہ سے تبدیل نہ کی گئی ہو۔ محمد صاحب نے مدینہ میں وارد ہونے پر اپنے مذہبی کام کے ساتھ ملکی خدمات کو بحیثیت ایک عربی امیر یا حکمران کے شامل کیا کیونکہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اٹھارہ مہینوں کے درمیان جو کہ ہجرت اور جنگِ بدر کے درمیان پڑے محمد صاحب نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سات دھاوے کئے جن میں انہوں نے ان سوداگروں کو جو مکہ کو تجارت کے لئے جاتے تھے لوٹا ان میں سے تین دھاوں میں محمد صاحب بذات خود شامل تھے۔اگر ہم اس قدیم زمانہ کے طریقوں کو مدنظر رکھیں کہ کیونکر مختلف عربی فرقے لوٹ اور مار دھاڑ کرتے تھے تو یہ بھی روشن ہوجائیگا کہ جب محمد صاحب کے دھاوے کامیاب ہوئے خصوصاً جب ان کو جنگِ بدر کے بعد بہت سامال ومتاع مل گیا تو بہت سے لوگ بخوشی اس نئے مذہب کی طرف رجوع ہوئے اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ نہ صرف یہ نبی ہم کو آنیوالی بہشت عطا کروائیگا بلکہ اس جہان میں بھی مال ودولت بخشیگا۔ محمد صاحب کی وفات تک جو کہ ہجرت سے نو برس کے بعد وقوع میں آئی سارا عرب مسلمانوں کا مطیع ہوا اور لوگ اس نئے مذہب کے پیرو ہوئے اور وہ تمام فرقے جو آپس کی خانہ جنگی میں ہمیشہ مبتلا رہتے اور لوٹ مار کرتے تھے اب ایک سردار کے ماتحت ہوئے اور اس کو دینی اور دنیاوی حاکم قبول کیا۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ سب اس نئے مذہب کے پیرو ہوئے جبکہ اس قسم کی لوٹ مار کے ذریعے سے نہ صرف ان کا افلاس دور ہوا بلکہ یہی طریق (لوٹ مار کرنا) بموجب ان کے قدیم دستور اور عادات کے اس نئے مذہب میں جاری رکھا گیا اور چونکہ سلطنت روما اور فارس اپنی خانہ جنگیوں کے باعث تباہ ہوکر زائل ہورہی تھیں اس لئے ان لوگوں کو اور بھی زیادہ موقعہ ملا کہ ایک ساتھ ہوکر قرب وجوار کے ملکوں پر دھاوے کریں اور مال ودولت جمع کریں۔ لہذا خلفا کے ماتحت ہوکر عرب کی فوجیں اپنی سرحدوں سے بڑے کروفر سے نکلیں اور گردونواح کے سارے ملک فتح کرلئے۔ جہاں تک یہ فوجیں کامیاب ہوئیں اسلام سلطنت کا مذہب ٹھہرایا گیا اور اگرچہ لوگوں پر زبردستی نہ کی گئی کہ وہ اس مذہب کو جبراً قبول کریں لیکن تو بھی

ایسی ایسی مشکلات لوگوں کے سامنے رکھی گئیں اور بعض دفعہ ایسے ایسے ظلم ان پر کئے گئے کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم نہ رہ سکے خلیفہ عمر کے وقت کا ذکر ہے کہ چار ہزار عباد تگاہیں (گرجے) مسمار کئے گئے۔ان باتوں کو دیکھ کر وہ لوگ جو اپنے ایمان اور دین میں کمزور تھے اور جو کہ اس ردوبدل کے زمانہ میں نہ سمجھ سکے کہ دین حق کیا ہے اور جنہوں نے چاہا کہ حاکمانِ وقت کے حقوق کو حاصل کریں فوراً اپنے بزرگوں کے مذہب کو ترکر کے مسلمان ہو گئے ۔پس اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان فوجیں نہ صرف لڑائی کا کام ہی کرتیں بلکہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کو بھی پھیلاتی گئیں یہاں تک کہ جب بہت سے ملک فتح ہو گئے تو لاکھوں کروڑوں لوگ اس مذہب کے پیرو ہو گئے۔

لیکن یہ فتوحات اور اسلام کا اس طور سے پھیل جانا ہر گز ثابت نہیں کرتا کہ قرآن کا مذہب ایک بڑا روحانی مذہب ہے۔ایسی ایسی فتوحات معجزانہ واقعات نہیں کہلا سکتے کیونکہ ہم کو تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اور جگہوں میں بھی بڑی بڑی فتوحات ہوئیں مثلاً اسکندر اعظم نے جو کہ ایک بت پرست آدمی تھا صرف ۹ سال کے اندر ایک چھوٹے سے ملک سے اٹھ کر جو کہ عرب سے بدرجہا چھوٹا تھا ایک اتنا بڑا ملک فتح کیا جو خلفا نے نوے (۹۰) سال میں فتح کیا اور جہاں جہاں وہ گیا یونانی زبان اور ملکِ یونان کے طریق معاشرت کو بڑی کامیابی کے ساتھ پھیلایا۔

ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ گو کئی صدیوں تک مسلمانوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے میں ہمہ تن کوشش کی مگر تو بھی وہ اپنے مذہب کو پھیلانے کی کامیابی میں ان مسیحی لوگوں کے درمیان جو ان کی زیر حکومت تھے اتنے کامیاب نہ ہوئے جس طرح مسیحی مذہب غیر اقوام میں کامیاب ہوا کیونکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ یورپ میں کوئی بھی قوم ایسی نہ رہی جو اپنے قدیم مذہب پر قائم رہی ہو پر برعکس اس کے مسیحی بہت سے ممالک مثلاً ترکی سیریا فارس اور مصر میں لاکھوں پائے جاتے ہیں لہذا یہ ایک قابلِ قبول امر ہے کہ مسیحی بالمقابل یہودیوں کے بہت بڑھ گئے پر مسلمان بالمقابل مسیحیوں کے نہ بڑھے بلکہ ان سے شمار میں بہت ہی کم ہیں۔

یہ بھی تواریخ سے ثابت ہے کہ جوں ہی قومِ یہود نے مسیحی مذہب کو رد کیا فوراً ان کی قوم پر وہ لعنتیں ٹوٹ پڑیں جن کی وجہ سے وہ نہ صرف اپنے ملک سے نکالے گئے بلکہ کل رُوئے زمین پر پراگندہ ہو گئے۔لیکن اگر تواریخ میں مسیحیوں کی بابت دیکھا جائے کہ آیا ان پر بھی لعنتیں پڑیں جبکہ انہوں نے محمد مذہب کو رد کیا تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیحی ملک جنہوں نے قرآن کے مذہب کو رد کیا اور جن میں سے بعض نے مسلمانوں کی فوجوں کو مغلوب بھی کیا نہ صرف لعنت سے بچ گئے بلکہ پہلے سے بدرجہا زیادہ ترقی کر گئے۔صرف چند ایک دنیا پسند نام کے مسیحیوں نے اپنے دنیاوی فائدے کی غرض سے اسلام کو اختیار کیا مگر بہتوں نے اپنے ایمان کی خاطر بہت سے نقصانات بھی اٹھائے مگر تو بھی وہ کسی روحانی برکت سے محروم نہ ہوئے خیال کیجئے کہ قومِ یہود جب سے انہوں نے مسیح کو رد کیا پھر اپنا ملک حاصل نہ کر سکی لیکن مسیحی قوموں نے اسلام کو رد کر کے نہ صرف اپنی خود مختاری قائم رکھی بلکہ باوجود بڑی بڑی مسلمان فوجوں کے جو ان کے تباہ کرنے کے لئے بھیجی گئی تھیں انہی کو شکست دی۔مسیحیوں کی طاقت اور آبادی خدا کی برکت سے بڑھتی گئی یہاں تک کہ اب آدھی دنیا کا سب سے بڑا حصہ انہی سے آباد ہے اور ہر ایک فرقہ اور ملت پر کچھ نہ کچھ رعب داب ہے۔یہ اب بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مسیحی دنیا کی اور سب قوموں سے بہت اعلیٰ ہیں اور خدا تعالیٰ نے ان کو صفحہ ہستی پر طاقت اور قدرت عطا کی ہے۔یہ قابل غور بات ہے کہ مسیحی مذہب چند غریب آدمیوں کے ذریعے سے شروع ہوا جن کے پاس نہ دنیاوی مال نہ طاقت تھی۔اگر کوئی طاقت تھی تو ان کا اپنا ایمان تھا۔تین سو برس تک مسیحیوں نے سخت تکالیف کا سامنا کر کے اپنے مذہب کی ایمان اور دعا سے اشاعت کی اور اس کوشش میں سیکڑوں شہید ہو گئے مگر باوجود ان سب کے اب مسیحی مذہب زبردست سے زبردست تخت کا مالک ہے۔برعکس اس کے اسلام پہلے پہل بہت پھیل گیا کیونکہ اس کے پیرووں نے دنیاوی فتوحات کو مدنظر رکھا مگر اب رفتہ رفتہ اس کی طاقت زائل ہوتی جاتی ہے۔

اگر مسیحی اور محمدی ملکوں کے اندرونی حالات کا مقابلہ کیا جائے تو ان کی صداقت اور بھی زیادہ روشن ہو جائیگی۔ سچا مذہب وہ ہے جو کہ سچائی کو پھیلائے ایمانداری انصاف خدا کے ساتھ رفاقت زندہ ایمان اور سچی پرستاری کے ساتھ بڑھائے جو کہ لوگوں کو بہتر بنائے اور جس سے قوم کی خوشحالی بڑھ جائے۔اب اگر یہ معیار دونوں مذاہب پر عائد کیا جائے تو ان کی صداقت ظاہر ہو جائیگی اگر مسیحی مذہب سچا مذہب نہ رہا جیسا کہ مسلمان خیال کرتے ہیں تو یہ بات ظاہر ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کے ملک خوشحال اور بہت بہتر ہیں اور مسیحی ملک خراب اور خستہ حالت میں ہیں مگر اصل حالت یہ نہیں۔ عرب کے ملک پر غور کرو کہ محمد صاحب کی جائِ ولادت ہے۔اس ملک کی حالت قریباً یکساں رہی پہلے پہل بہت مال و دولت خلفا کی فتحمند فوجوں کے ذریعے پہنچائی گئی اور کچھ عرصہ تک عرب کے بدوی دنیا کی سب سے مالدار قوموں پر حکمراں رہے لیکن یہ سب دولت اور طاقت جاتی رہی اور اہلِ عرب خوشحال اور باتہذیب انسان ہونے کے بجائے نیم وحشی جاہل اور ویسے ہی لوٹ مار کرنے والے بدوی رہے جیسا کہ محمد صاحب کی پیدائش سے پہلے تھے ۱۲ سو سال تک یہ اسلام کے زیر سایہ رہے مگر تو بھی ان میں تبدیلی نہ پیدا ہوئی اور یہ اب اتنے بھی مہذب نہیں جیسی بعض اور غیر قومیں ہیں۔اور ملکوں پر غور کرو جہاں محمدی سلطنت پھیلی اور جہاں محمد صاحب کی وفات کے بعد اسلام پھیلا اور ابتک قائم ہے مثلاً سیریا فارس ایشیا کوچک مصر اور شمالی افریقہ۔ جبکہ ان ملکوں پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور تو وہ بہت آباد تھے صدہا گاؤں اور قصبات ان میں تھے زمین کاشت کی جاتی تھی اور لوگ خوشحال اور دنیا کی مہذب قوموں میں شمار کئے جاتے تھے مگر جوں ہی کہ اسلام کے زیر حکومت آئے ان کی خوشحالی اور تہذیب بجائے اس کے کہ ترقی کرتی تنزل کرتی گئی اور اب یہ ملک صحرا اور بیابان بن گئے ہیں اور اگر کوئی ان میں سفر کرے تو دنوں بغیر گاؤں اور قصبوں کے ریگستان میں تنہا مارا پھرے۔ نہ زمین کاشت ہوتی ہے نہ کھیتی باڑی اور زراعت کوئی کرتا ہے۔ان اضلاع میں جو کثرت سے آباد تھے اب سوائِ خانہ بدوش بدویوں کے اور کوئی نہ رہا۔ آبادی نہ صرف گھٹ گئی بلکہ لوگوں کی حالت افلاس کی ہے اور قریب قریب وحشی اقوام کی مانند ہیں۔ برعکس اس کے مسیحی مذہب کا اثر کیسا عجیب ہے اگر یورپ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ سوائے اٹلی اور یونان کے جہاں ایک قسم کی شائستگی پھیلی ہوئی تھی اور تمام ملک مسیحی مذہب سے پہلے نیم وحشی اور جاہل تھے۔انگلستان میں تو لوگ جانوروں کی کھالوں سے اپنے بدن کو ڈھانکتے اور جرمن ایسے جنگلی تھے کہ لڑائی پر اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے جو کہ ان کو شکست کے وقت لعن طعن کرتیں اور اگر بھاگنے کی نوبت پہنچتی تو ان کو برُا بھلا کہہ کر پھر لڑنے کو واپس لاتی تھیں۔لوگ بالکل وحشیانہ حالت میں تھے۔ مگر انجیل کی قدرت نے ان جنگلی مردوں اور عورتوں کو سدھارا۔ خدا کی محبت نے جو مسیح میں ظاہر ہوتی ہے ان کو مطیع کیا۔ یہاں تک کہ یورپ کی سب قوموں نے اپنے بتوں کو پھینکدیا اور ایک سچے اور زندہ خدا کی پرستش جو اپنے بیٹے دنیا کے نجات دینے والے سیدنا مسیح میں ظاہر ہوا کرنے لگے۔ یہ ایمان ان کے لئے برکتوں کا سرچشمہ ہو گیا جن سے ان کی روحانی اور جسمانی ترقی ہوئی اور اس الہیٰ کلام کی صداقت جو ا تمتھیس ۴:۸ میں پایا جاتا ہے پوری ہوئی "دینداری سب باتوں کے لئے فائدہ مند ہے کہ ابکی اور آئندہ کی زندگی کا وعدہ اس کے لئے ہے۔"

مسیحی مذہب کے فائدہ بخش اور پاک اثر کے ذریعے سے نہ صرف یورپ کے ملکو کی آبادی بڑھ گئی بلکہ یورپ کی سب قومیں پہلے کی بہ نسبت زیادہ شائستہ زیادہ تعلیم یافتہ اور زیادہ دولتمند ہیں اور یہ بات عیاں ہے کہ کئی پشتوں سے یورپ کے مسیحی ممالک دنیا کی اور سب قوموں سے سرفراز ہیں اور ان کی تہذیب علم طاقت اور لیاقت بھی زیادہ ہے۔ پس تواریخ سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام نہ صرف قوموں کو ترقی دینے میں ناکامیاب ہوا بلکہ اس میں کوئی ایسی طاقت بھی نہ پائی گئی جس سے وہ گرتی ہوئی قوموں کو سنبھال سکتا اور برعکس اس کے وہ مسیحی ملک جنہوں نے اسلام کو رد کیا بجائے اس کے کہ خدا ان کو سزا دیتا زیادہ بڑھے اور ترقی کی یہاں تک کہ اب تمام اسلامی ممالک تہذیب دولت اور طاقت میں ان سے کہیں کم ہیں۔

اب اگر یہ دعویٰ سچ ہوتا کہ اسلام کے نازل ہونے سے مسیحی مذہب سچا مذہب نہ رہا اور کہ اب خدا کی یہ مرضی ہے کہ مسیحی اور یہودی اور غیر قوم قرآن کی تعلیم کو اختیار کریں تو یہ دیکھنے میں آتا کہ مسیحی مذہب رفتہ رفتہ کمزور ہوتا جاتا اس کی روحانی قوت اور اثر زائل ہوتا جاتا اور خدا کی برکتوں سے محروم ہو جاتا اور برعکس اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھنے میں آتا کہ محمدی مذہب اپنے اثر اور طاقت کو بحال رکھتا اور مہذب قوموں میں پھیلتا جاتا اور خدا کی برکتوں سے مالا مال ہو کر یا پہلی طرح فتحمند فوجوں کے ذریعہ سے پھیلتا یا خوشحال امن وامان اور ترقی کے طریقوں کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اس کو اپنا گرویدہ بناتا۔ لیکن حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت بالکل دگرگوں ہے۔ یہ سچ ہے کہ وسطی افریقہ میں جہاں بورنیوز مین ڈینگا اور پھولا اس قومیں آباد ہیں اسلام کچھ کامیاب نظر آتا ہے مگر یہ اس لئے ہے کہ وہاں کی قومیں نہایت کمزور اور بے جان تھیں۔ پر اگر کل ممالک پر جو مسلمان ہیں غور کیا جائے تو اس قسم کی ترقی چند روزہ ظاہرا ترقی معلوم ہو گی کیونکہ جس طرح ایک سبز شاخ جس کی جڑ خراب ہو گئی ہو تھوڑے عرصہ کے لئے لہلہاتی ہے اسی طرح سے یہ قومیں گو تھوڑے عرصہ کے لئے بہتر نظر آیں مگر چونکہ ان کی بنیاد خراب ہے جلد جاتی رہینگی۔ وہ ممالک جو کہ اسلام کی جان خیال کئے جاتے ہیں اور جو ملکی حکومت کے لحاظ سے مرکز سمجھے جاتے ہیں مثلاً ترکی فارس اور شمالی افریقہ کب سے خاموش بیٹھے ہیں اور بالکل کوشش نہیں کرتے کہ اور قوموں کو اپنی تعلیم سے مطیع کریں۔ اب نہ صرف مسلمانوں کی فتوحات بند ہو گئیں بلکہ جو جو ملک فتح بھی کئے تھے وہ بھی اب رفتہ رفتہ ان کے ہاتھوں سے نکلے جاتے ہیں تواریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ملک جو کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کے ماتحت تھے مثلاً سپین شمالی افریقہ یونان اور ہندوستان اب سب مسیحی سلطنتوں کے ماتحت ہیں۔ یہ بھی بات روشن ہے بلکہ بعض مسلمانوں کا خود یہ اقرار بھی ہے کہ سکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں خصوصاً تعلیم یافتہ اور بڑے لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں اور ان کا ایمان جاتا رہا ہے۔ یا تو وہ مسیحی مذہب کی طرف راغب ہیں یا دہریت کی طرف رجوع ہیں۔

اگر ہم ان لوگوں کی حالت پر غور کریں جو کہ قرآن کی تعلیم کو مانتے ہیں تو کیا ان کی زندگیوں اور اعمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب زیادہ روحانی ہے اور زیادہ پاکیزگی صداقت اور محبت کو لوگوں کے درمیان پیدا کرتا ہے؟ برعکس اس کے ایک مسلمان مسیحی مذہب کے نتائج کو دیکھ کر کیا کہیگا؟ مثلاً ہر قسم کے مرض کے لئے سکڑوں ہسپتال ہیں ہر عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے مفید مدرسے ہیں اندھوں اور بہروں گنگوں کے لئے بھی مدرسے ہیں اور ان محتاجوں کے لئے جو کسی قسم کا کام نہیں کر سکتے مسافر خانے خوراک اور پوشاک گاؤں اور قصبوں میں مہیا کی جاتی ہے۔ علاوہ اس کے اور بہت سی انجمنیں ہیں جو غریب غربا کی مدد کے لئے قائم ہیں جو بیماروں یتیموں اور بیواؤں کی ہمدردی اور خبر گیری کرتی ہیں اور بے پرواا اور دنیاداروں کو نصیحت آمیز کلام سناتی ہیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے اور اسی پر سب خدا کی برکتیں نازل ہیں تو کیا سبب ہے کہ یہ مسیحی ملکوں میں نہیں پھیلتا؟ کیا وجہ ہے کہ سچے اور سرگرم مسلمان اپنا روپیہ صرف نہیں کرتے کہ قرآن عام لوگوں میں بانٹے جائیں اور امام خوجے اور علما مسیحی ملکوں میں بھیجے جائیں تاکہ اوروں کو اسلام کی بابت معلوم ہو جائے؟ اور اگر مسیحی مذہب سچا نہیں اور خدا کی برکت اس کے ساتھ نہیں تو کیوں یہ زائل نہیں ہو جاتا؟ کیوں یہ اب تک دنیا کے ہر ملک میں پھیلتا جاتا ہے؟ بُت پرستوں میں یہودیوں میں اور مسلمانوں میں یہاں تک کہ اب سکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسیحی ایسے پائے جائینگے جو اور مذہبوں سے مسیحی ہوئے ہوں۔

ان تمام مذکورہ بالا دلائل سے یہ صاف اور صریح طور پر ثابت ہو گیا کہ اگرچہ مسیحی مذہب اسلام سے چھ سو سال پہلے سے ہے مگر تو بھی بڑے شد و مد سے پھیل رہا ہے حالانکہ محمدی مذہب کمزور ہوتا جاتا اور روز بروز اپنی طاقت اور اثر کو کھوتا جاتا ہے۔

دوسری فصل

کیاجیسے مسیح اور مسیحی مذہب کی بابت پرُانے عہد نامہ میں پیشینگوئیاں ہیں اسی طرح محمد صاحب اور اسلام کی بابت نئے عہد نامہ میں پیشینگوئی ہے؟

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ مسیحی مذہب ایک الہیٰ مذہب ہے جس کے نازل ہونے سے پہلے ایک زمانہ کے لئے موسوی شریعت بنی نوع انسان کو عارضی طورپر عطا کی گئی اور جس میں اور پرانے عہد نامہ کے اور حصوں میں مسیح اور مسیحی مذہب کی بابت صاف اور صریح طور سے جتلایا گیا تھا۔اب اسلام کے الہیٰ ثابت ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ نئے عہد نامہ میں بہت سے مقامات ایسے ہوں جو اس کی صداقت کو ظاہر کریں اور مسیحی مذہب کو ایک عارضی مذہب ٹھہرائیں اور علاوہ اس کے ایک اور پیغمبر اور نجات دہندہ کی خبر دیں۔ یہ طریق ثبوت ایسا صاف ہے کہ مسلمانوں نے بھی محمدی مذہب کی صداقت کے لئے اور محمد صاحب کے آنے کی آگاہی کے لئے نئے عہد نامہ سے چند مقامات کو پیش کیا گیا ہے۔اگر ہم اس دلیل کو پرکھیں تو معلوم ہو جائیگا کہ ان کا انجیل سے یہ ثابت کرنا غلط ہے۔قرآن میں اس کا یوں ذکر ہے "میں یہ ان کے لئے لکھتا ہوں۔۔۔۔جو رسول اُمی نبی کی پیروی کریں گے جس کی بابت موسوی شریعت اور انجیل میں پیشخبری ہے"(دیکھو سورہ اعراف آیات ۱۵۶،۱۵۷)اور ایک جگہ صاف طور سے آیا ہے "عیسیٰ ابنِ مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں خدا کا ایک رسول ہوں جو کہ توریت کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی تائید کرنے اور ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والا ہے جس کا نام احمد ہے خبر دینے آیا ہوں"(سورہ صف آیت ۶) پہلے حوالہ کی بابت جس میں دعویٰ ہے کہ محمد صاحب کے آنے کی خبر پرانے عہد نامہ میں درج ہے یہ کہنا کافی ہے کہ واقعی ایک پیغمبر کے آنے کی پیشخبری پائی جاتی ہے مگر وہ پیغمبر بنی اسرائیل ہی کے درمیان سے ظاہر ہونے کو تھا اور کوئی شخص بھی جو بلا تعصب پرانے عہد نامہ کا مطالعہ کرے یہ نہیں کہہ سکیگا کہ وہ پیغمبرِ ملکِ عرب سے پیدا ہونے والا بتایا گیا ہے۔دوسرے حوالے کے مطابق سیدنا مسیح نے ایک اور پیغمبر یا رسول کے آنے کی ہر گز خبر نہ دی بلکہ اس آنے والے کا خاص نام بتادیا ہے۔اب اگر ہم نئے عہد نامہ کو شروع سے آخر تک پڑھیں تو کوئی بھی آیت ایسی نہ ملیگی جس میں کسی ایسے رسول کے آنے کی خبر ہو۔اب خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن میں اس آنے والے کے ذکر کو انجیل سے منسوب کیا گیا تو وہ انجیل کوئی اور کتاب ہو گی مگر وہ کتاب ہر گز یہ اصلی انجیل نہیں ہو سکتی گو بعض انجیل کے نام سے نامزد کریں۔بعض دفعہ محمدی علما محمد صاحب کی پیشخبری کو اس آیت سے ثابت کرتے ہیں جو کہ مسیح نے روح القدس کی بابت کہی کہ میں ایک تسلی دینے والا اپنے باپ کی طرف سے جو آسمان پر ہے بھیجونگا(یوحنا۱۴: ۱۶،۲۶/ ۱۵: ۲۶/ ۱۶: ۷) مگر وہ یونانی لفظ جس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے وہ ایک ایسے فعل سے مشتق ہے جس کے معنی ہم ان الفاظ میں کر سکتے ہیں "کسی کی ملاقات کرنے جانا یا کسی کو مدد کے لئے طلب کرنے یا جانا یا کسی کو رنج وتکلیف میں دلاسا دیکر خوش کرنا"اور اس لفظ کا زبانِ عربی کے لفظ "حمد یا حمدہ" سے جس کے معنی تعریف کے ہیں کوئی تعلق نہیں۔اگر محمد صاحب کے زمانہ میں ایک عربی زبان میں انجیل پائی گئی (مگر یہ بات قرینِ قیاس نہیں) جس میں لفظ "فارقلیط" کا ترجمہ "لفظ "احمد" سے کیا گیا ہو تو یہ ترجمہ بلاشبہ غلط تھا اور غلطی کی وجہ کم فہمی اور لاعلمی قرار دی جاسکتی ہے۔

علاوہ اس کے ایک اور بات سے ظاہر ہو جائیگا کہ مذکورہ بالا حوالجات محمد صاحب سے ہر گز منسوب نہیں ہو سکتے کیونکہ اعمال ۱: ۴،۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس یا فارقلیط رسولوں پر تھوڑے ہی دنوں کے بعد نازل ہونے والا تھا اور اس وقت تک ان کو اجازت نہ تھی کہ یروشلیم سے باہر جائیں

۔اب انجیل کے ہر ایک پڑھنے والے پر روشن ہے کہ روح القدس مسیح کے آسمان پر جانے کے دس روز بعد ہی رسولوں پر نازل ہوااور جب محمد صاحب چھ سو برس کے بعد پیدا ہوئے تو یہ سب رسول اور شاگردتہِ خاک تھے۔

انجیل میں نہ صرف ایک احمد کے آنے کی یا کسی ایسے اور کے آنے کی پیشینگوئی سے انکار ہے بلکہ اس میں صاف صاف طور سے بتایا جاتا ہے کہ سچی راہ بتانے والی اور خدا تک راہ حق دکھانے والی یہی ایک کتاب ہے اور کوئی ایسی ہدایت یا تعلیم نہیں ملتی جس سے یہ سمجھا جائے کہ مسیح کی تعلیم سے ایک اور اعلیٰ تعلیم اور ایک زیادہ اعلیٰ مذہب نازل ہونے کو ہے۔انجیل میں یہاں تک صاف صاف لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر جبکہ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے اپنے چند شاگردوں کو مسیح کے پاس یہ کہکر بھیجا کہ "آیا جو آنے والا ہے تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں" تو سیدنا مسیح نے بجائے اس کے کہ ان کو کسی آنے والے نبی کی خبر دیتے یہ کہا" جاؤ اور یوحنا سے جو کچھ تم سنتے اور دیکھتے ہو بیان کرو کہ اندھے دیکھتے لنگڑے چلتے کوڑھی پاک صاف ہوتے بہرے سنتے اور مُردے جی اٹھتے ہیں اور غریبوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے۔مبارک ہے وہ جو میرے سبب سے ٹھوکر نہ کھائے "متی ۱۱: ۴،۶ اور اس کے بعد ہی یہ کہا "میرے باپ سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا مگر باپ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا مگر بیٹا اور جس پر بیٹا اسے ظاہر کیا چاہے۔اے تم لوگو جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو سب میرے پاس آؤ کہ میں تمہیں آرام دونگا" متی ۱۱: ۲۷،۲۸ اور ایک اور موقعہ پر اس نے یوں کہا" کیونکہ خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے کیونکہ خدا نے اپنے بیٹے کو جہان میں اس لئے نہیں بھیجا کہ جہان پر سزا کا حکم کرے بلکہ اس لئے کہ جہان اس کے سبب سے نجات پائے۔جو اس پر ایمان لاتا ہے اس پر سزا کا حکم نہیں لیکن جو اس پر ایمان نہیں لاتا اسکے واسطے سزا کا حکم ہو چکا کیونکہ وہ خدا کے اکلوتے بیٹے کے نام پر ایمان نہ لایا اور سزا کے حکم کا سبب یہ ہے کہ نور جہان میں آیا اور انسان نے تاریکی کو نور سے زیادہ پیار کیا کیونکہ ان کے کام بُرے تھے (یوحنا ۳: ۱۶،۱۹) اور پھر اس نے کہا" میں جہان کا نور ہوں وہ جو میری پیروی کرتا ہے اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا" یوحنا ۸: ۱۲ اور پھر کہا" میں ہوں وہ جیتی روٹی جو آسمان سے اتری اگر کوئی شخص اس کو کھائے تو ابد تک جیتا رہیگا اور روٹی جو میں دونگا میرا گوشت ہے جو میں جہان کی زندگی کے لئے دونگا۔۔۔۔جو کوئی میرا گوشت کھاتا ہے اور میرا لہو پیتا ہے ہمیشہ کی زندگی اسی کی ہے اور میں اسے آخری دن اٹھاؤنگا کیونکہ میرا گوشت فی الحقیقت کھانے اور میرا لہو فی الحقیقت پینے کی چیز ہے۔وہ جو میرا گوشت کھاتا ہے اور میرا لہو پیتا ہے مجھ میں رہتا ہے اور اس میں۔جس طرح سے کہ زندہ باپ نے مجھے بھیجا ہے اور میں باپ سے زندہ ہوں اسی طرح وہ بھی جو مجھے کھاتا ہے مجھ سے زندہ ہوگا" (یوحنا ۶: ۵۱، ۵۴، ۵۷)۔اسی طرح مقدس پولوس بھی ا تمتھیس ۲: ۵،۶ میں یوں لکھتا ہے "خدا ایک ہے اور خدا اور آدمیوں کے بیچ ایک آدمی درمیانی بھی ہے وہ سیدنا مسیح ہے جس نے اپنے تئیں سب کے کفارے میں دیا کہ بروقت اس کی گواہی دی جائے اور پھر ۲ کرنتھیوں ۵: ۱۷،۱۹ میں یوں لکھتا ہے "اس لئے اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ دنیا مخلوق ہے پرانی چیزیں گزر گئیں۔دیکھو ساری چیزیں نئی ہوئیں اور یہ ساری چیزیں خدا کی طرف سے ہیں جس نے سیدنا مسیح کے وسیلہ سے ہم کو آپ سے ملایا اور ملاپ کی خدمت ہمیں دی یعنی خدا نے مسیح میں ہو کے دنیا کو اپنے ساتھ یوں ملا لیا کہ اس نے ان کی تقصیروں کو ان کے حقمیں محسوس نہ کیا اور میل کا کلام ہمیں سونپا" مقدس پطرس بھی یہودیوں کے سامنے یہ گواہی پیش کرتا ہے "یہ وہی پتھر ہے جسے تم معماروں نے ناچیز جانا جو کہ کونے کا سرا ہو گیا اور کسی دوسرے سے نجات نہیں کیونکہ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پا سکیں" اعمال ۴: ۱۱،۱۲۔

ان حوالجات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے کیا کیا کہا اور نیز متی ۲۴: ۱۱ کی صداقت بھی ظاہر ہے "بہت سے جھوٹے نبی اٹھینگے اور بہتوں کو گمراہ کرینگے" اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی اور نبی مسیح کے موافق یا مسیح کے بدلہ میں نہیں ہو سکتا کیونکہ جبکہ بیٹے نے خود خدا باپ کو ظاہر کیا تو یہ صاف ظاہر

ہے کہ کسی اور خادم کے ذریعے اس سے بڑھ کر خدا کا مکاشفہ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ سیدنا مسیح کو اناجیل میں روحانی آفتابِ صداقت جہان کا نور اور اکیلا نجات دہندہ کہا گیا ہے لہذا اس کے بعد کوئی اور مکاشفہ نہیں ہو سکتا اور اس مسیحی تعلیم کے زمانہ یعنی مسیح کے وقت سے اسکے دوبارہ آنے تک کے زمانہ کو آخری زمانہ اور دنیا کا آخر کہا گیا ہے جیسا کہ ہم اکرنتھیوں ۱۰:۱۱ میں پڑھتے ہیں "یہ سب کچھ لکھا گیا تاکہ ہم جو آخری زمانہ میں ہیں نصیحت پذیر ہوں" اور پھر ا یوحنا ۲:۱۸ میں یوں لکھا ہے "اے بچو یہ آخری زمانہ ہے اور جیسا تم نے سنا ہے مسیح کا مخالف آتا ہے سو ابھی بہت سے مخالف ہوئے ہیں" اور عبرانیوں ۱:۱، ۲ میں لکھا ہے "خدا جس نے اگلے زمانے میں نبیوں کے وسیلے باپ داداوں سے بار بار اور طرح بہ طرح کلام کیا ان آخری دنوں میں ہم سے بیٹے کے وسیلہ سے بولا جس کو اس نے ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلے سے اس نے عالم بنائے" اور مقدس پطرس بھی ایمانداروں کو یوں لکھتا ہے "تم بچائے گئے مسیح کے بیش قیمت لہو کے سبب جو بے داغ اور بے عیب برے کی مانند ہے جو دنیا کی پیدائش سے پیشتر مقرر ہوا تھا لیکن اس آخری زمانہ میں تمہارے لئے ظاہر ہوا" ا پطرس ۱:۱۹، ۲۰۔ لہذا یہ بلاشبہ صاف و صریح ہے کہ جو بھی اسلام کی بنیاد ہو وہ ہر گز انجیل کی کسی پیشینگوئی پر رکھی نہیں جاسکتی کیونکہ نہ محمد صاحب کی بابت اور نہ اس کی تعلیم کی بابت کوئی پیشینگوئی ہے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام مسیحی مذہب کی کمی کو پورا کرنے کے لئے انتظام الہیٰ کے بموجب بنی نوع انسان پر نازل کیا گیا۔

اب اگر کوئی مسلمان جو کہ نئے عہد نامہ کی تواریخ سے ناواقف ہو ان نتائج سے بچنے کے لئے یہ کہے کہ یہ انجیل اصلی انجیل نہیں بلکہ محمد صاحب کے وارد ہونے کے بعد مسیحیوں نے تبدیل کر دی تاکہ وہ ان بڑی الہیٰ خبروں کو جو کہ محمد صاحب کی بابت دی گئی تھیں چھپالیویں تو یہ کہنا کافی ہو گا کہ بہت سے محمدی عالم مثلاً امام محمد اسماعیل بخاری شاہ ولی اللہ، امام فخر الدین رازی اور اور بہت سے اور ہمارے زمانہ کے عالم سید احمد صاحب بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ انجیل جو کہ اب رائج ہے وہی ہے جو کہ محمد صاحب کے زمانہ میں تھی اور جو کہ ان سے پہلے تھی علاوہ اس ان انجیلی قدیم نسخوں سے جو کہ مسیحی ملکوں کے کتب خانوں میں ہیں یہ ثابت ہے کہ یہ انجیل اصلی اور حقیقی انجیل ہے لہذا یہ ایک فضول اور بے بنیاد دلیل ہے۔ اگر اب بھی مسلمان یہ کہیں کہ یہ مقدس کتابیں بدل گئیں اور جب تک وہ کوئی ثبوت نہ پیش کرینگے کہ حقیقۃً اس میں ردوبدل ہوا ہم اس اعتراض کے شنوانہ ہونگے بلکہ اس کو ایک بے بنیاد اعتراض سمجھ کر برطرف کر دینگے۔

تیسری فصل

محمد صاحب اور اسلام بجائے اس کے کہ مسیحی ملک سے نکلتے جیسا کہ مسیحی مذہب بنی اسرائیل کے درمیان برپا ہوا وہ عرب کے بت پرستوں کے درمیان ظاہر ہوئے

اس میں کچھ شک نہیں کہ ساری زمین خدا کی ہے (زبور ۲۴:۱) اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے (زبور ۱۱۵:۳) لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جو کچھ وہ کرتا ہے ایک نہایت اعلیٰ طور سے اور عقل سلیم سے کرتا ہے۔ ہم نے یہ دیکھ لیا ہے کہ بمقتضائے عقل الہیٰ پہلے موسوی شریعت نازل ہوئی جس کے ذریعے سے مسیح کے روحانی مذہب کی تیاری خاطر خواہ ہوئی اور یہ بھی خدا کی کامل دانائی کے مطابق ہوا کہ اس نے ایک نجات دہندہ کو جب ٹھیک موقع آیا بھیجا اور اسی جگہ اس نے اپنی کلیسیا کی بنیاد ڈالی جہاں اس کی پہلے سے تیاری ہو چکی تھی۔ اب ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اگر خدا کی مرضی ہوتی کہ مسیحی مذہب سے ایک اور بالاتر مذہب نازل کرے تو ضرور ان حالات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس اعلیٰ مذہب کی آگاہی مسیحی مذہب میں پائی جائے کیونکہ یہی مذہب تھا جہاں پر روحانی ترقی کا اظہار ہونا لازم تھا۔ مگر تواریخ میں شاید اس سے بڑھ کر کوئی اور بات محکم طور سے ثابت نہیں جیسا کہ اسلام

کے بانی کی بابت ہے کہ وہ نہ تو مسیحی ملک میں پیدا ہوا نہ اس کی وہاں پرورش ہوئی اور نہ ہی یہودیوں میں ظاہر ہوا بلکہ جاہل بت پرست عربوں میں پیدا ہوا جنہوں نے قریباً ۳۶۰ بتُ اپنے قومی بتُ خانہ یعنی کعبہ میں جمع کئے ہوئے تھے۔ یہ بھی ان لوگوں کو جو عرب کی تواریخ سے واقف ہیں معلوم ہو گا کہ جب محمد صاحب نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور اپنے نئے مذہب کا چرچا کیا تو اہل مکہ اس کے قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے بلکہ برعکس اس کے محمد صاحب پر تمسخر کرتے اور یہاں تک اس کی مخالفت کہ یہ نیا مذہب جاتا رہتا اگر ابو طالب اور اس کے خاندان کی مدد ہر وقت نہ پہنچتی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک اور چال اختیار کی جس کی وجہ سے یہ مذہب بچ رہا یعنی محمد صاحب نے خاندانی تنازعات کو مدِ نظر رکھ کر ایک کو دوسرے سے مغلوب کروادیا اور مکہ اور مدینہ کے لوگوں سے جنگ کروا کے مکہ کو آخر کار فتح کیا اور اس طور سے دنیاوی زور کو حاصل کر کے اپنے مذہب کو پھیلایا۔ اپنے نئے مذہب کی مدد کے لئے دنیاوی طاقت کو استعمال کرنا ثابت کرتا ہے کہ اسلام بالمقابل مسیحی مذہب کے اتنا ہی روحانی مذہب نہیں ہے اور اگر ہے تو بھی اہلِ عرب پہلے پہل اس کے قبول کرنے کے لئے ہر گز تیار نہ تھے اگر حقیقتہً یہ روحانی مذہب ہوتا تو دنیاوی طاقت اور قوت کا استعمال فضول ثابت ہوتا کیونکہ یہ بھی مسیحی مذہب کی طرح آہستہ آہستہ خود بخود پھیل جاتا۔ ان سب باتوں پر غور کر کے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ امر خدا کی عقل اور دانائی کے برخلاف ہے کہ وہ آخری اور سب سے بڑے پیغمبر کو بت پرست عربوں کے درمیان برپا کرتا جبکہ اس سے دو ہزار برس پہلے سے یعنی ابراہیم کے زمانہ سے اس نے اپنے سب نبیوں کو بنی اسرائیل کے درمیان سے اٹھایا یہاں تک کہ مسیح بھی ابراہیم کی اصل اور نسل سے تھا۔

کیا صرف یہی ایک بات کہ محمد صاحب ہی ایک ایسے پیغمبر ہیں (اگر وہ پیغمبر کہلائے جائیں) جو کہ بہت دیوتاؤں کی پرستش کرنیوالے لوگوں میں ظاہر ہوئے کافی نہیں کہ ان کے الہیٰ کام میں شک پیدا کرے؟ کیا کوئی تعجب کی بات ہے کہ اگر ہم بے تعصب اور سمجھ دار مسلمانوں کو یہ کہتے سنیں کہ اگر محمد صاحب کو مسیح سے بالاتر مکاشفہ بنی نوع انسان کو پیش کرنا تھا تو کیوں وہ کسی مسیحی ملک میں ظاہر نہ ہوئے جہاں پر ان کو ان قوموں میں روحانی تیاری پہلے ہی سے ملتی؟ کیوں وہ بت پرست عربوں کے درمیان ظاہر ہوئے جہاں ان لوگوں کو مطیع کرنے کے لئے دنیاوی زور اور طاقت استعمال کرنا پڑا؟ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سب سے اعلیٰ مکاشفہ پہلے بت پرستوں ہی پر بغیر ان کو شریعت اور انجیل کے ذریعے سے تیار کئے نازل کرنا تھا تو کیوں اس رحیم خداوند نے اسلام کو مسیحی مذہب کے بدلے چھ سو برس پہلے نہ ظاہر کیا؟ یا کیوں دو ہزار برس پہلے اس کو شریعت کے بدلے نازل نہ کیا؟ کیوں خداوند تعالیٰ نے اس مذہب کو بنی نوع انسان سے دور رکھا جبکہ اس کی بہتر اور اعلیٰ تعلیم کسی وقت کسی قوم پر نازل ہو سکتی تھی؟ اگر ایسے ایسے سوالات دل میں آئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کا اور اس مذہب کے بانی کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت کرنا ایک امر دشوار ہو گا۔

چوتھی فصل

کیا محمد صاحب کے دعوے بحیثیت ایک نئے مذہب کے بانی کے معجزات سے ثابت ہو سکتے ہیں؟

اب اگر ہم معجزات کی طرف مائل ہوں تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ حضرت محمد کے خدا کی طرف سے مامور ہونے کے دعوے بالکل کمزور ہیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ موسیٰ اور مسیح نے معجزات دکھائے تاکہ لوگوں کو یقین دلائیں کہ ان کا آنا خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ بغیر ایسے نشان کے عام لوگوں کے لئے نہایت دشوار ہو جائیگا کہ خدا کے بھیجے ہوئے اور نہ بھیجے ہوئے میں فرق کر سکیں۔ اگر اب ہم اس طریق سے محمد صاحب کو جانچیں تو یہ غیر ممکن ہوگا کہ ان کا پیغمبر ہونا سیدنا عیسیٰ یا موسیٰ کی طرح صاف اور صریح طور سے ثابت ہو۔ یہ سچ ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کی روایتوں کو یقین کریں تو صدہا معجزے بیان کئے جائینگے جن سے محمد صاحب کی پیغمبری ثابت ہو۔ لیکن ان کو بھی مان کر پورا یقین اور تسلی نہیں ہوتی کیونکہ ان معجزات اور مسیح کے معجزات میں آسمان وزمین کا فرق نظر آتا ہے اور یہ یقین کرنا دشوار ہوتا ہے کہ ایسے ایسے معجزات خدا کی طرف سے خیال کئے جائیں۔ مثلاً ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ محمد صاحب نے ایک درخت کو طلب کیا اور وہ زمین کو چیرتا ہوا ان کے سامنے آیا اور بآواز بلند کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک اور تو اس کا نبی ہے۔" ایک دفعہ جانوروں پہاڑوں، پتھروں اور کھجور کے گچھوں نے ایسی گواہی دی۔ اور یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جو لباس چھوٹا یا بڑا پہن لیتے تھے ان کے بدن پر ٹھیک آجاتا تھا۔ ایسی ایسی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانات بمقابلہ مسیح کے معجزوں کے کچھ حقیقت نہیں رکھتے بلکہ دل میں طرح طرح کے شک پیدا کرتے ہیں۔ برعکس اس کے مسیح کے معجزات کیسا گہرا اثر پیدا کرتے ہیں جو سب انسانوں کو دکھ مصیبت اور گناہ سے نجات دینے کے لئے دکھائے گئے۔ متی ۴: ۱تا۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے ذاتی فائدہ کے لئے ہر گز کسی طاقت کا اظہار نہ کیا بلکہ پتھر کو روٹی بنانے سے انکار کیا اور جب شیطان کی طرف سے اس کو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنی قدرت کا اظہار لوگوں پر ہیکل (بیت اللہ) کے کنگرے سے کود کر کرے تو اس نے صاف جواب دیا "یہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو مت آزما۔"

علاوہ اس کے اور بہت سے شکوک ہیں جو کہ محمد صاحب کے معجزوں پر عائد ہوتے ہیں اور یہ بہت کچھ ٹھیک ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی معجزہ نہ دکھایا۔ وہ بات جو کہ ہر ایک روشن ضمیر مسلمان کو اس بات کا قائل کریگی یہ ہے کہ محمد صاحب نے کبھی اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزوں کی دلیل کو پیش نہ کیا، لیکن برعکس اس کے قرآن میں صریح طور سے اس بات کا اقرار ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی معجزانہ قدرت نہ تھی جو کچھ ہم کو محمد صاحب کی بابت معلوم ہے اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے معجزوں کو عقلی طور سے ثابت کرنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہی ان سے انکار کیا بلکہ جو معجزہ ہوتا وہ اس کو معجزہ قرار دیتے اور جو عام قدرتی بات ہوتی اس کو ویسا سمجھتے۔ انہوں نے بارہا قرآن کی زبان کو معجزانہ زبان قرار دیا جو کہ عام فہم لوگوں کو زبان سے کہیں عمدہ اور بہتر تھی (سورہ یونس آیات ۳۸، ۳۹) جب انہوں نے اسی طور سے معجزوں کی حقیقت کا اقرار کیا تو یہ بلاشبہ سچ ہے کہ اگر انہوں نے کوئی بھی معجزہ دکھایا ہوتا تو وہ ضرور اس کو اپنی نبوت کے ثبوت میں پیش کرتے کیونکہ بہت مدت تک عرب کے بڑے بڑے لوگ ان کے نبی ہونے کو قبول نہ کرتے اور متواتر محمد صاحب سے کہتے تھے کہ اپنے دعویٰ نبوت کو معجزوں سے ثابت کرو۔ قرآن میں ان کا ذکر بڑی صفائی سے ان الفاظ میں آیا ہے "کافروں نے کہا ہم کبھی اس کا یقین نہ کرینگے۔ جب تک کہ وہ ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ پھوٹ نکلوائے یا جب تک کہ وہ ایک کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ لگائے اور اس کے درمیان ایک بہتا ہوا دریا نہ جاری کرے یا جب تک وہ آسمان کو ہم پر نہ گرائے یا جب تک خدا اور فرشتوں کو اپنی گواہی میں پیش نہ کرے" (سورہ بنی اسرائیل آیات ۹۲، ۹۴) اور سورہ رعد آیات ۳۰ سے بھی مقابلہ کرو۔ محمد صاحب ان اعتراضات کا کیا جواب دیتے ہیں؟ کیا وہ یہ کہتے ہیں

کہ یہی جو کچھ تم نے کہا تمہارے لئے کرونگا یا کیا وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ تم نے کہا فضول اور بے فائدہ ہے اور چونکہ میں نے اور بہت سے معجزے کئے لہذا وہی میری گواہی کے لئے کافی ہیں؟ انہوں نے یہ ہر گز نہ کہا لیکن جو کچھ کہا اس سے ہر ایک بے تعصب شخص معلوم کر لیگا کہ انہوں نے اقرار کیا کہ میرے پاس کوئی ایسا معجزہ دکھانے والی طاقت نہیں قرآن سے مذکورہ بالا اعتراضات کا جواب یوں ملتا ہے "سب تعریف خدا کو ہے۔ کیا میں جو رسول ہوں ایک آدمی سے زیادہ قدرت رکھتا ہوں؟ لیکن آدمیوں کو ایمان لانے سے کیا چیز روکتی ہے جبکہ ان پر ہدایت نازل ہو چکی ہے کہ خدا نے ایک بشر کو رسول مقرر کر کے بھیجا" (سورہ بنی اسرائیل آیات ۹۵، ۹۶)۔ اسی کے موافق ہم سورہ انعام آیت ۲۰۹ میں یوں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ حضرت محمد نے ان لوگوں کو جنہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ اگر تو معجزہ دکھائیگا تو ہم تجھ پر ایمان لے آئینگے یوں جواب دیا "نشان دکھانا خدا ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن وہ تم کو ان کے ذریعے سے نہیں سکھاتا ہے کیونکہ اگر وہ دکھائے بھی جائیں تو تو بھی تم ایمان نہ لاؤ گے" پھر سورہ رعد آیت ۸ میں یوں آیا ہے کہ "جب کافروں نے کہا کہ اگر کوئی نشان خدا کی طرف سے ہم پر نہ ظاہر کیا گیا تو ہم ایمان نہ لائینگے" تو محمد صاحب کو ان الفاظ سے تسلی دی گئی "تو کہہ کہ میں ایک خبر دینے والا اور ڈرانے والا ہوں" (مقابلہ کرو سورہ حجر آیت ۸۹ سے)۔

ان حوالجات سے اور ایسے ایسے اور مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر محمد صاحب نے کوئی معجزہ دکھایا بھی ہو تو کم از کم قرآن میں اس کا ذکر نہیں پر برعکس اس کے قرآن یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے پاس کوئی معجزانہ قدرت نہ تھی اب یہ بات خیال کر کے کہ اہل عرب کے سمجھدار لوگوں نے بھی اس کے خدا کی طرف سے مامور ہونے سے اس بنا پر انکار کیا اور اس بات کو مدِ نظر رکھ کر کہ اس کے دعووں کے ثبوت میں کوئی معجزہ قرآن کی رو سے پیش نہ کیا گیا حالانکہ اس کو آخری اور سب سے بڑا نبی ٹھہرایا۔ اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جیسا ان کو کہا گیا کہ وہ فقط ایک خبر دینے والے اور ڈرانیوالے اور کچھ نہ تھے۔ اب اگر قرآن کا یہ کہنا سچ ہے (اور کوئی اس کی صداقت سے انکار نہ کریگا) تو یہ لامحالہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جتنے معجزات روایتی طور پر ان پر عائد کئے گئے ان کے حق میں سچ نہیں اور نہ ہی تواریخی طور پر ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ معجزوں کا اس طور پر ان کے حق میں عائد کرنا محض ایک ذاتی محبت تھی کیونکہ عام طور پر لوگ اکثر بڑے بڑے آدمیوں کو اس طرح یاد رکھنا پسند کرتے ہیں جیسا کہ سب سچے مسلمان محمد صاحب کو سب سے بڑا نبی مانتے ہیں۔ یہ جانکر کہ پہلے سب نبیوں نے اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزے اور نشان دکھائے۔ یہ خیال ان کے دلوں میں خواہ مخواہ پیدا ہوا کہ محمد صاحب نے بھی ضرور معجزے دکھائے ہونگے لہذا جس طریق سے ان کی بڑائی کرنی منظور ہوئی اسی طرح کر دی اور جو کچھ تواریخ میں پایا نہ گیا انہوں نے اپنے قیاس و وہم سے پورا کر دیا۔ اسی ایک طریقہ سے ہم قرآن اور احادیث کے جداگانہ مضامین کو جو محمد صاحب کے معجزات کے بارے میں ہیں سلجھا سکتے ہیں۔ اب اگر اس کتاب یعنی قرآن کی شہادت ایسی واضح و ظاہر ہے جو کل مسلمانوں میں پاک و مقدس خیال کی جاتی ہے تو یہ نتیجہ لازم آتا ہے کہ محمد صاحب کو معجزہ کرنے کی قدرت نہ تھی لہذا جس ثبوت سے موسیٰ اور سیدنا مسیح کا خدا کی طرف سے ہونا ثبوت ہوتا ہے وہ محمد صاحب کے حق میں کسی طور سے پایا نہیں جا سکتا اور اب محمد صاحب کا جو عرب کے پیغمبر کہلاتے ہیں خدا کی طرف سے ہونا صریحاً شک و شبہ حق پسند آدمیوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور یہ شکوک ان مسلمانوں کی سرگرمی کے سبب جو کسی نہ کسی طرح سے روایتوں کے زور پر محمد صاحب کو صاحبِ معجزہ قرار دیکر ان کی نبوت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور بھی زیادہ قوی ہو جاتے ہیں۔

پانچویں فصل

کیااسلام کی تعلیم مسیحی تعلیم سے ویسی ہی اعلیٰ ہے جیسے کہ مسیحی تعلیم موسوی تعلیم سے اعلیٰ ہے؟

اسلام کے سب سے آخری اور اعلیٰ درجہ کے مذہب کے دعوٰے کے بر خلاف جو کچھ پیش ہو چکا ہے اس سے کافی ثبوت ملتا ہے کہ یہ حقیقتہً سب سے اعلیٰ مذہب نہیں مگر وہ دلائل جن پر اب ہم غور کرینگے اس بات کو زیادہ صاف طور سے ثابت کر دینگے کہ اس مذہب کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے۔ آؤ ہم اسلام کے مکاشفہ او تعلیم کو جانچیں اور اس کا مذہب کی تعلیم سے مقابلہ کریں جس کی جگہ یہ لینے کا دعویٰ کرتا ہے تا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ آیا حقیقتہً یہ اس سے بہتر اور اعلیٰ مکاشفہ ہے یا نہیں۔

ہر ایک اس بات کو جانتا ہے کہ دعوٰے کی صداقت اس کے ثابت کرنے کے زور پر مبنی ہوتی ہے۔ ہر ایک مرد اپنی روز مرہ زندگی میں اس طریق کو استعمال کرتا ہے فرض کرو کہ اگر کوئی آدمی دعویٰ کرے کہ اس نے ایک ایسی بندوق ایجاد کی ہے جو موجودہ بندوق سے بدرجہا بہتر ہے تو سرکار جسکی منشا یہ ہے کہ اس کے سپاہی ہمیشہ بہتر سے بہتر ہتھیار سے مسلح ہوں کیا کریگی؟ کیا وہ بغیر آزمائے اس نئی ایجاد کی ہوئی بندوق کو صرف ایجاد کرنے والے کے الفاظ کو سن کر استعمال کرنے لگیگی اور اپنی پرانی بندوقوں کو دور کر دیگی؟ کبھی نہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ایسی حالت میں سرکار کہیگی کہ آؤ تمہاری نئی بندوق کو آزمائیں اور ان پرانی بندوقوں سے جو مروج ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں اور یہی طریقہ قابلِ قبول ہے۔ اگر آزما کر سرکار کو معلوم ہو جائے کہ فی الحقیقت نئی بندوق کا کنُدا خوبصورت ہے اور نلی لچکدار ہے مگر وہ صرف ایک معمولی طمنچہ ہے جس سے کہ تھوڑے فاصلہ پر بھی اچھی طرح نشانہ نہیں لگا سکتے جیسا کہ انگریزی اِنفیلڈ بندوق سے لگا سکتے ہیں تو کیا وہ موجد سے یہ نہ کہیگی کہ تمہاری ایجاد کی ہوئی بندوق ہم کسی طور سے استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ جو ہمارے پاس ہے تمہاری بندوق سے بہتر ہے۔ اسی طرح سے اگر اسلام کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ ایک اعلیٰ مذہب ہے اور مسیحی مذہب سے زیادہ روحانی ہے تو یہ بالکل ناجائز ہو گا اگر اس دعوٰے کو بلا جانچے قبول کر لیا جائے۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ آیا واقعی قرآن کی تعلیم بائبل کی تعلیم سے اعلیٰ زیادہ روحانی اور بہتر ہے یا نہیں اور اگر ایسا ہم پائیں تو یہ بالکل واجب ہو گا کہ ہم مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول کر لیں۔ پر اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیحی مذہب زیادہ بہتر اور اعلیٰ ہے تو یہ سخت غلطی ہو گی اگر ہم اسلام کو قبول کر لیں کیونکہ یہ غلطی اس سپاہی کی غلطی کی مانند ہو گی جو کہ موجودہ بندوق کو چھوڑ کر پرانے زمانہ کی توڑے دار بندوق کو استعمال کرنے لگے۔ لیکن اب اگر کوئی مسلمان کہے کہ چونکہ ہم اسلام کے پیرو اتنے صدہا سالوں سے ہیں لہذا یہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ہم اس کو چھوڑیں تو یہ کہنا بالکل بے جا ہے کیونکہ اگر کسی زمانہ میں قرآن کے بدلے انجیل کو قبول کرنا درست ہے تو اب بھی یہ درست ہو گا کہ قرآن کو چھوڑ کر انجیل کو قبول کیا جائے۔ روز مرہ کے طریق بھی ہم کو صاف طور سے یہی جتلاتے ہیں۔ غور کرو کہ جب ترکی سلطنت کو معلوم ہوا کہ یورپ کے لوگ اب توڑے دار بندوق استعمال نہیں کرتے تو اس نے یہ نہ کہا کہ چونکہ ہم سالہا سال سے توڑے دار بندوق استعمال کرتے آئے جو کہ قدیم زمانہ کے ہتھیار تیر کمان سے بدرجہا بہتر تھی اس لئے ہم اس کو بدنہیں سکتے پر اس نے کیا کیا؟ ہر ایک جانتا ہے کہ جب اس کو معلوم ہو گیا کہ مسیحی ہتھیار ان پرانے ہتھیاروں سے بہتر ہیں تو ہر طرح سے کوشش کی کہ ان کو ترک کر دے اور ان کی جگہ مسیحی سلطنتوں کے ہتھیاروں کو قبول کرے۔ ہر ایک سمجھدار عثمانی ترکی سلطنت کے اس طریق کا قائل ہے۔ اسی طرح سے اگر غور وخوض کے بعد مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ انجیل کا مذہب اسلام سے بالاتر ہے اور زیادہ روحانی ہے تو ان کا یہ فرض ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر مسیحی مذہب کو اختیار کریں اگرچہ ان کے آباواجداد نے بوجہ کم علمی اور ناتجربہ کاری سے صدہا سال تک اسلام کی پیروی کی ہو اور یہ ان کی نادانی تھی کہ انہوں نے اس اعلیٰ

فرض کو نہ پہچانا۔ زمانہ حال کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک نہایت بڑا فرض ہے کہ وہ اچھی طرح جانچ لیں کہ آیا واقعی قرآن مسیحی مذہب سے زیادہ اعلیٰ اور بہتر اور زیادہ روحانی تعلیم دیتا ہے یا نہیں۔ جب تک وہ محض قرآن ہی کو پڑھیں یا صرف ان کتابوں کو پڑھیں جو مسلمانوں نے لکھیں تو اس بات کا پہچان نہیں سکینگے پر اگر وہ جاننا چاہتے ہیں تو ان کو بہر صورت انجیل کا مطالعہ کرنا چاہیے اور کتابیں جو مسیحیوں نے لکھیں پڑھنی چاہیے تاکہ وہ اس بڑے امر کو معلوم کر لیں۔ جو مقابلہ ہم کرنے والے ہیں اس سے بھی حق پسند مسلمانوں کو معلوم ہو جائیگا کہ قرآن کی تعلیم اور انجیل کی تعلیم میں کیا فرق ہے۔ جس طرح ہم نے اوپر موسوی شریعت اور انجیلی تعلیم کا مقابلہ کر کے بتایا کہ کون اعلیٰ ہے اسی طرح ان دو مذاہب کی تعلیم کے مقابلہ سے ایک کا دوسرے سے اعلیٰ تر اور بہتر ہونا ثابت ہو جائیگا۔

(۱) خدا کی بابت

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں جہاں موسوی شریعت اور انجیل کا مقابلہ کیا تھا کہ مسلمانوں اور مسیحیوں کا یہ اعتقاد کہ انجیل کی تعلیم خدا کی نسبت موسوی شریعت کی تعلیم سے اعلیٰ تر ہے درست ہے۔ اور یہ اعتقاد بخوبی ثابت کر دیا گیا تھا جبکہ بہت سے حوالجات خدا کی تعلیم کی نسبت انجیل اور موسوی شریعت سے پیش کئے گئے۔ ان میں دو خاص باتوں پر غور کیا گیا تھا جس سے مذہب کی فوقیت موسوی شریعت کی تعلیم پر ثابت کی گئی۔ پہلی بات یہ تھی کہ موسوی شریعت میں خداوند القادر دنیا کا پیدا کرنے والا صادق اور رحیم خدا بنی اسرائیل کا آسمانی بادشاہ مانا گیا ہے مگر انجیل میں خداوند ایک مہربان باپ کی حیثیت میں جو کہ اپنے فرزندوں بنی آدم کو سچائی اور خوشحالی کی راہ پر چلنے کی ہدایت اور رہنمائی کرتا ہے ظاہر کیا گیا۔ دوسری بات یہ تھی کہ موسوی شریعت میں خدا کی ہستی اور ذات کی بابت کم تعلیم دی گئی جبکہ انجیل میں بتایا گیا کہ اس کی ذات واحد میں یہ مقدس تثلیث کے تین اقانیم یعنی باپ بیٹا اور روح القدس شامل ہیں۔ جو کہ نہ صرف بنی نوع انسان کی نجات کا خواہاں ہے بلکہ اس کو پورا کیا ہے اب اگر قرآن حقیقۃً انجیل سے اعلیٰ مکاشفہ پیش کرتا ہے تو یہ بلاشک ان امور پر زیادہ روشنی ڈالے گا پر جب ہم اس کو پڑھتے ہیں تو یہ افسوس سے ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ یہ تعلیم کہیں نہیں ملتی۔

بجائے اس کے کہ خدا کی پدرانہ محبت و شفقت کو بنی آدم کی طرف بڑے کھلے طور سے پیش کیا جائے اس نہایت شیرین دل آویز اور تسلی بخش نام کا ذکر تک نہیں پایا جاتا یعنی ۹۹ ناموں میں جو خدا کے لئے قرآن میں آئے ہیں ان میں باپ کا نام آیا تک نہیں۔ ہم کو یہ بار بار بتلایا جاتا ہے کہ خدا بڑا زبردست عادل ہے جو کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق دیتا ہے کہ وہ مخلوقات سے بلند اور بالا ہے اور قریباً ہر صفحہ پر یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ القادر ہے ہر چیز کا علم رکھتا ہے گُردوں اور دلوں کا جانچنے والا ہے۔ ہاں اس کی مہربانی اور رحم کا ذکر بھی کیا گیا مگر نہ اس درجہ تک جیسا کہ چاہیے یہ سب تعلیمات جو قرآن میں خدا کی بابت پائی جاتی ہیں سچ و برحق تو ہیں پر ان میں نیا کیا ہے؟ کوئی بھی ایسی تعلیم نہیں جو انجیل میں نہ ہو۔ ہاں کوئی بھی ایسی بات نہیں جو زبور اور شریعت میں نہ پائی جائے۔ اب ایک کا ذکر کریں۔ خدا کا ہر جا حاضر ہونا اور اس کی عالم الغیبی ۱۳۹ ویں زبور میں ایسی خوبصورتی اور دل آویزی سے بیان کی گئی ہے کہ قرآن میں ویسا بیان کہیں نہیں پایا جاتا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ قرآن بجائے اس کے کہ خدا کے پدرانہ پیار و محبت کو ایسا ظاہر کرے جیسا کہ انجیل میں ہے وہ اس کو پورے طور سے ظاہر بھی نہیں کرتا پر برعکس اس کے خدا کے نام باپ کو بنظرِ حقارت دیکھتا ہے لہذا یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا اس کے ذریعے ایک بالا اور بہتر مکاشفہ جو کہ انجیل سے بڑھ کر ہو ظاہر کرتا اور قرآن کا نازل ہونا جبکہ اس سے پہلے انجیل نازل ہو چکی تھی۔ ایک عجیب واقعہ معلوم دیتا ہے جس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔

ایسا ہی تثلیث فی التوحید کی تعلیم کے بارے میں ہے قرآن بجائِ اس کے کہ اس کو انجیل سے زیادہ واضح طور سے بیان کرے اس کو رد کرتا ہے اور یہ خیال الہیٰ ذات کے متضاد خیال کیا جاتا ہے نتیجتہً اسلام پھر اسی پرانے نیچری مذہب پر واپس جاتا ہے۔ پرانے عہد نامہ میں تو تثلیث فی التوحید کے اشارات پائے جاتے ہیں پر قرآن کی تعلیم اس کو چھوڑ کر ایک نیچری مذہب پیش کرتی ہے جو کہ خدا کی ذات سے ناواقف ہے پر فقط کچھ کچھ اس کی بابت اس کے کاموں کو دیکھ کر یا اس کو پروردگار خالق حاکم اور منصف سمجھ کر بتلاتا ہے۔ اگر قرآن خدا کی وحدت پر ایسا زور دیتا ہے جیسا کہ اس کے ہر صفحہ سے معلوم ہوتا ہے تو یہ ایک خاص اعتقادی بات ہے جو کہ ہر ایک سچا اسلام کا پیرو بمقابل بہت سے خداؤں کے ماننے والوں کی تعلیم کے رکھتا ہے۔ پر یہ تعلیم نئی نہیں اور نہ ہی انسان بلا قرآن کے اس سے محروم رہینگے کیونکہ یہی تعلیم پرانے اور نئے عہد نامہ میں اس صفائی سے پیش کی گئی ہے کہ قرآن ہر گز اس پر کچھ اضافہ نہیں کر سکتا۔ پس قرآن میں اس تعلیم کا آنا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے صرف اس کو توریت اور نئے عہد نامہ کے برابر اس لحاظ سے لے آتا ہے۔ پر تثلیث کے انکار سے جو پرانے عہد نامہ میں جتلائی گئی اور جس کا صاف بیان نئے عہد نامہ میں ہوا یہ اس بڑے اور اعلیٰ مکاشفہ سے جو کہ عرب کے پیغمبر سے پیشتر نازل ہو چکا تھا دور ہو جاتا ہے۔ یہ ایک امر واضح ہے کہ ہر ایک سمجھ دار مسلمان جو انجیل اور قرآن کو غور سے پڑھتا ہے اس کی پیروی کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ لیکن چونکہ اس کا قبول کرنا قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے اور اس کے منجانبِ خدا ہونے کو شک میں لایا گیا ہے لہذا مسلمان اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ یہ بات قابلِ قبول ہے کہ خدا پہلے پہل اپنا مکاشفہ بحیثیت بنی آدم تھوڑا کرے اور پھر رفتہ رفتہ جوں جوں روحانی ترقی ہو وہ اپنے آپ کو بتمام و کمال صفائی سے ظاہر کرے مگر یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ جب ایک دفعہ اس نے اپنا کامل مکاشفہ نازل کیا ہو تو پھر وہ لوگوں پر کسی اور جگہ تھوڑا اور کم نازل کرے۔ یہ امر ایسا ہی عبث ہے جیسا کہ کسی استاد کا کام جبکہ وہ اپنے طالب علموں کو سب کچھ کامل طور سے پڑھا کر ان کو پھر الف بے تے پڑھانے لگے۔ خدا چونکہ معلموں کا معلم ہے لہذا ہم یہ امر مسلمان صاحبان کی روشن ضمیری پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ آیا قرآن خدا کا مکاشفہ ہو سکتا ہے جبکہ اس میں خدا کی ذات اور ہستی کی بابت اس سے کہیں کم بتلایا گیا جیسا کہ پہلے انجیل میں بیان ہو چکا تھا؟

چونکہ قرآن میں تثلیث فی التوحید کی بابت کچھ نہیں پایا جاتا لہذا اس کا انسان کی نجات کے بارے میں بیان جو کہ مقدس ثالوث کے تین اقانیم کے ذریعے سے ہے انجیل کے بیان سے گرا ہوا ہے۔ ہم انجیل میں بہت سی جگہ اس کی بابت پاتے ہیں بالخصوص طیطس ۳: ۵، ۷ میں یوں لکھا ہے "اس نے ہم کو راستبازی کے کاموں سے نہیں جو ہم نے کئے بلکہ اپنی رحمت کے مطابق نئے جنم سے غسل اور روح القدس کے سر نو بنانے کے سبب بچایا جسے اس نے ہمارے بچانے والے سیدنا مسیح کی معرفت ہم پر کثرت سے ڈالا تاکہ ہم اس کے فضل سے راستباز ٹھہر کر امید کے مطابق ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوں" یہاں پر ہم وہ صداقت پاتے ہیں جو کبھی کسی انسانی دماغ میں سما نہیں سکتی پر جو کہ صرف الہیٰ مکاشفہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی انسان اپنے اعمال سے نہیں بچا بلکہ خدا کے رحم سے اور کہ سیدنا مسیح ہمارا نجات دہندہ ہے اور اس کی موت اور حقوق سے ہم کو گناہوں کی معافی ملتی ہے اور ہم خدا کے سامنے راستباز ٹھہرتے ہیں اور کہ ضرور ہے کہ ہم روح القدس کے ذریعے سے از سر نو پیدا ہوں کیونکہ انہی وسائل سے ہم کو ہمیشہ کی زندگی اور جلال کی امید ہو سکتی ہے۔ اس جگہ ظاہراً متضاد صداقتیں آپس میں نہایت عمدگی سے ایک کر کے پیش کی گئی ہیں یعنی ایک طرف تو یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال سے نہیں بچتا لیکن خداوند باپ بیٹے اور روح القدس میں انسان کو بچاتا ہے اور اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے اور دوسری طرف یہ ہے کہ انسان جو کہ یوں فضل سے بچ گیا اب آگے کو لاپروائی اور گناہ کی زندگی بسر نہیں کر سکتا کیونکہ پاکیزگی سچائی محبت اور سب نیک باتیں خود بخود روح القدس کی حضوری کے باعث پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ اچھے درخت سے اچھا پھل ہی پیدا ہوتا ہے اب اگر یہ پوچھا جائے کہ قرآن ان سے بڑھ کر اور کیا سکھاتا ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ قرآن اس آسمانی باپ سے واقف ہی نہیں جس نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخشا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی

پائے۔اور نہ ایسے نجات دہندہ سے آگاہ ہے جس نے ہمارے لئے انسانی صورت اختیار کی تاکہ وہ اس صورت میں ہو کر شیطان اور اس کی سب آزمائیشوں کو مغلوب کرے تاکہ وہ اپنی پاکیزہ زندگی اور کفارہ والی موت سے ہمارے گناہوں کو دور کرے اور ان کو رہا کرے جو موت اور ہلاکت کے خوف سے ہمیشہ گناہ کی غلامی میں رہے۔اور یہ ہمیشہ رہنے والے اور تسلی بخش روح القدس سے بالکل بے خبر ہے جو کہ ایماندار کے دل کو نور خوشی اور سلامتی سے معمور کرتا ہے اور ان کو اس لائق بناتا ہے کہ آئندہ کو ایک پاکیزہ اور فائدہ مند زندگی بسر کریں تاکہ وہ آنے والی برکت اور جلال کے لئے تیار ہو جائیں بجائے اس کے کہ اس الہیٰ نجات کے طریقہ کے لوگوں کے سامنے پیش کرے وہ ان کو پھر مایوسی کی دلدل میں گراتا ہے اور جتلاتا ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے اعمال سے نجات حاصل کرے۔دعا خیرات روزہ اور حج کو پیش کرتا ہے جس کے ذریعے سے لوگ کچھ کر سکیں اور اس طرح بجائے اس کے کہ وہ ایک اعلیٰ مکاشفہ کو پیش کرے دیگر مذاہب کی مانند مثلاً ہندو مذہب اور بدھ مذہب کی مانند ہو جاتا ہے جو کہ ابدی آرام کے حاصل کرنے کے لئے بالکل وہی طریقے بتلاتے ہیں۔لہذا یہ امر ثابت ہوا کہ خدا کی بابت اور اس کے تعلقات انسان سے خصوصاً اس کی نجات کی بابت جو جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ نہ صرف اس اعلیٰ تعلیم اور تعلق کو نہیں بتاتا ہے جو انجیل میں درج ہے بلکہ اس سے کہیں تھوڑا بیان کرتا ہے اور ایسا بیان صدہا سال مسیح سے پہلے مختلف ملکوں میں ہو چکا تھا۔ اس سے سب پر روشن ہے جو تعصب کو کام میں نہیں لاتے کہ اور کوئی تعلیم ہو تو ہو جس سے اسلام سب سے اعلیٰ اور بہتر قرار دیا جائے مگر یہ خدا کی بابت تعلیم نہیں ہو سکتی۔

(۲)خدا کی عبادت اور پرستش کی بابت

پہلے حصوں میں جہاں ہم نے یہودی اور مسیحی مذہب کا مقابلہ کیا ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ مسیحی مذہب یہودی مذہب سے اعلیٰ اور برتر ہے کیونکہ اس نے بہت سی ظاہری رسموں کو جو وقت اور جگہ کے ساتھ مخصوص تھیں دور کر کے خدا کی پرستش کو روح اور راستی سے کرنے کو پیش کیا ہے اور یہ زندہ ایمان کو بہ نسبت چند ظاہری رسومات کے ماننے کے ترجیح دیتا ہے اور بتلاتا ہے کہ ہم اس آسمان سے مقرر کئے ہوئے نجات دہندہ پر ایمان لائیں تاکہ باطنی روحانی زندگی کو حاصل کریں۔اب ہمارا یہ فرض ہے کہ دریافت کریں کہ اسلام کی تعلیم اس کے بارے میں کیا ہے اور کس طرح مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ ان کا مذہب سیدنا مسیح کے مذہب سے اعلیٰ اور بہتر ہے ثابت ہوتا ہے؟قرآن کس پہلو سے اس ایمان پر جو کہ گنہگار نجات دہندہ پر رکھیں زیادہ روشنی ڈالتا ہے؟اور کون سے بہتر وسائل بیان کرتا ہے جن سے ایسا نئی زندگی پیدا کرنے والا ایمان پیدا ہو؟ہم کو بڑے افسوس سے ان کا جواب دینا پڑتا ہے کیونکہ قرآن اس کی بابت نہ صرف خاموش ہے بلکہ کچھ اور ہی کہتا ہے کیونکہ انجیل میں یوں لکھا ہے کہ مسیح کی پیدائش سے پہلے خداوند کا فرشتہ یوسف پر نازل ہوا اور اسے کہا کہ تو اس کا نام عیسیٰ رکھیگا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچائیگا(متی ۱:۲۱)پر قرآن سیدنا عیسیٰ مسیح کے گنہگاروں کا نجات دہندہ ہونے پر نہ صرف بالکل خاموش ہے بلکہ ایک جگہ آیا ہے کہ وہ صرف ایک پیغمبر ہے اور کچھ نہیں(سورہ مائدہ آیت ۷۹)اور یوں بھی آیا ہے کہ مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہے جیسے اور رسول اس سے پہلے ہوئے۔

اب اگر آدمیوں کی موجودہ حالت صرف لاعلمی اور گمراہی کی ہوتی تو شاید ایک رسول یا نبی ان کو سیدھی راہ پر لانے کے لئے کافی ہوتا لیکن انسان نہ صرف گمراہ اور لاعلم تھا بلکہ وہ شیطان اور گناہ کا غلام ہو چکا تھا اور محض ایک سکھانے والا کافی نہ تھا کیونکہ اگر انسان کو بچنا تھا تو ایک نجات دہندہ کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت انجیل سے معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا مسیح میں پوری ہوتی ہے جو کہ نبی اور خدا کی طرف سے بھیجا ہوا نجات دہندہ تھا لیکن چونکہ قرآن میں صرف نبیوں ہی کا ذکر آتا ہے اور کسی نجات دہندہ کا بیان تک نہیں لہذا یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ قرآن یا تو انسان کی حاجت سے بخوبی واقف نہ

تھا یا اگر واقف تھا تو اس نے اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے کوئی تدبیر پیش نہ کی ان ہر دو صورتوں سے یہی ثابت ہے کہ اس کی تعلیم انجیل کی تعلیم سے کم درجہ کی ہے۔

ایسا ہی از سر نو پیدا ہونے اور روح القدس کی نئی پیدائش کی تعلیم کے بارے میں ہے کیونکہ انجیل میں تو ان پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ مسیح نے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ "جب تک آدمی از سر نو پیدا نہ ہو خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا۔" (یوحنا۳: ۳) پر قرآن نہ صرف اس پر کچھ روشنی نہیں ڈالتا بلکہ اس کی بابت ذکر تک نہیں کرتا۔ ہر ایک روحانی انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایسی نئی پیدائش اور دلی تبدیلی جو کہ خدا کی مرضی کے مطابق ہو اس کو زیادہ مقبول ہو گی بہ نسبت ظاہری رسومات کے بجالانے سے جبکہ دل کسی اور طرف راغب ہے۔ ہم خدا کے کلام سے جانتے ہیں کہ وہ اس حالت میں دعا اور ظاہری پرستش کو ہر گز قبول نہیں کرتا جبکہ دل گناہ میں پھنسا ہوا ہو کیونکہ وہ قوم یہود کو یسعیاہ نبی کے ذریعے سے یوں کہتا ہے "اب آگے کو جھوٹے ہدیئے مت لاؤ لُبان سے مجھے نفرت ہے نئے چاند اور سبت اور عیدی جماعت سے بھی کہ میں عید اور بے دینی دونوں کی برداشت نہیں کر سکتا ہوں میرا جی تمہارے نئے چاندوں اور تمہاری عیدوں سے بیزار ہے۔ وہ مجھ پر ایک بوجھ ہیں۔ میں ان کے اٹھانے سے تھک گیا۔ جب تم اپنے ہاتھ پھیلاؤ گے تو میں تم سے چشم پوشی کرونگا۔ ہاں جب تم دعا پر دعا مانگو گے تو میں تمہاری نہ سنونگا۔ تمہارے ہاتھ تو لہو سے بھرے ہیں۔ اپنے تئیں دھو کہ آپ کو پاک کرو اپنے بُرے کاموں کو میری آنکھوں کے سامنے سے دور کرو۔ بد فعلی سے باز آؤ۔ نیکوکاری کو سیکھو، انصاف کے پیرو ہو مظلوموں کی مدد کرو۔ یتیموں کی فریاد رسی کرو۔ بیوہ عورتوں کے حامی ہو" یسعیاہ ۱۵: ۱۲، ۱۷۔ پر تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدت کے ماننے اور بہت سے مذہبی رسومات کو پورا کرنے پر زور دیتا ہے گویا کہ ایسے ماننے اور ان رسومات کو پورا کرنے سے انسان ہلاکت سے بچ سکتا اور ابدی آرام کو حاصل کر سکتا ہے۔ یہ روشن ضمیر اصحاب سے پوشیدہ نہیں کہ یہ ممکنات میں سے ہے کہ کوئی وحدت کا اقرار کرے اور ظاہری رسومات کو بھی پورا کرے پر تو بھی باطنی طور سے خدا سے دور رہے اور گناہ میں مبتلا رہے۔

انجیل خاص طور سے یہ ہدایت کرتی ہے کہ ہم خدا کا جلال سچی توبہ سے اور گنہگاروں کے نجات دہندہ پر ایمان لانے سے ظاہر کریں اور ساتھ ہی روح القدس کے پاکیزہ اثر سے موثر ہو کر ایک سچے اور زندہ خدا کی پرستش روح اور راستی سے کریں اب جبکہ انجیل ایمانداروں کو ان ظاہری رسومات سے چھٹکارا دیتی ہے جن سید نا عیسیٰ کے دنوں میں یہودی لوگ مانتے تھے اور خدا کی پرستش کو ایک روحانی پرستش بناتی ہے تو قرآن پھر انہی ابتدائی رسومات کی طرف لے جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روحانی طور پر کوئی بڑا اعلیٰ مذہب نہیں بتلاتا۔

یہ ظاہری رسومات مسلمانوں کے نماز کے طریقوں سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ مثلاً مسلمان علما یہ کہتے ہیں کہ سچی دعا کی مقبولیت کے لئے کم از کم بارہ باتوں کا ہونا لازم ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو دعا لاحاصل اور بے فائدہ ٹھہرتی ہے اب اگر ہم ان ظاہری ہدایات پر غور کریں تو یہ معلوم ہو جائیگا کہ بجائے اس کے کہ روحانی ہدایات نئے عہد نامہ کی مانند کی جاتیں مثلاً دعا کا سادہ اور عام فہم زبان میں کہنا فروتنی عاجزی اور سرگرمی اور ایمانداری سے مانگنا۔ ان کے بجائے فضول ظاہری باتوں پر زور دیا گیا ہے۔

ان ظاہری باتوں پر غور کرنا شاید بیجا نہ ہو گا۔ یہ بارہ فرض دو حصوں میں منقسم ہیں یعنی سات ظاہری رکن اور پانچ باطنی رکن سات ظاہری رکن یہ ہیں قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا، وضو، جائے نماز کا صاف کرنا، خاص وقت، خاص تیاری، جسم کا بخوبی ڈھکنا اور نماز کو اللہ اکبر کی پکار سے شروع کرنا۔

نمازپڑھتے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھنے کے لئے سورہ بقر میں یہ ہدایت ہوئی ہے "ہم نے تجھے دیکھا ہے کہ نمازپڑھتے وقت تو چاروں طرف منہ کر کے پڑھ لیتا ہے لیکن اب ہم تجھے ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھنا بتائینگے جو تجھے اچھا لگیگا۔ تو اپنا منہ پاک مسجد کی طرف کر کے نماز پڑھ اور جہاں تم ہو اس طرف رخ کر کے نماڑ پڑھو" (سورہ بقرہ آیت ۱۳۹) اس آیت سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھنا مذہبِ اسلام کا ایک فرض ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اب تک مکہ کی مسجد اہل عرب کی نظر میں کوئی بڑی وقعت نہ رکھتی تھی اور جب تک محمد صاحب نے نبی ہونے کے دعوے کو بڑے زور سے پیش نہ کیا کسی نے اس بات کی پیروی نہ کی۔ یہ رسم ایک عرب کی رسم نہ تھی بلکہ گمان غالب ہے کہ محمد صاحب نے اس کو یہودیوں سے لیا تھا۔ کیونکہ یہودیوں نے بہت قدیم زمانہ سے یروشلیم کی ہیکل (بیت اللہ) کو اپنا قبلہ مانا ہوا تھا جیسا کہ ہم زبور ۵: ۷۔ یسعیاہ ۲: ۴ اور دانی ایل ۶: ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس بات کا ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ محمد صاحب خود کئی سال تک یروشلیم کو اپنا قبلہ مانتے رہے جیسا کہ عربی مورخوں نے لکھا ہے کہ مثلاً تباری نے اور پھر سورہ بقرہ آیت ۱۳۶ میں بھی یوں لکھا ہے "بیوقوف کہینگے کہ کس بات نے ان کو اس قبلہ سے جس کو وہ پہلے مانتے تھے پھیر دیا" لہذا یہ بات بلاشک ماننے کے قابل ہے کہ محمد صاحب نے یہ رسم یہودیوں سے لی اور بہت مدت تک ان کے ساتھ یروشلیم کی ہیکل کو اپنا قبلہ مانتا رہا گو آخر کار اس نے مکہ کی مسجد کو قبلہ تسلیم کیا۔ اس رسم کی بناء خواہ کچھ ہی ہو مگر ایک بات اس سے ثابت ہوتی ہے کہ اس قبلہ پرستی کی رسم کی رو سے مسلمانوں کا مذہب بالکل یہودیوں کے مذہب کے برابر ہو جاتا ہے اور کہ مسیحی مذہب ان دونوں سے اعلیٰ اور بہتر نظر آتا ہے کیونکہ اسنے قبلہ پرستی کو جو خدا کی روحانی پرستش کے خلاف ہے رد کر دیا اور پھر اس سے خدا کی پرستش میں کوئی مدد بھی نہیں ملتی۔ مسیحی قبلہ پرستی نہیں کرتے بلکہ اس صداقت کی جو اس سے نکلتی ہے پیروی کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں بھی لکھا ہے "مشرق اور مغرب اللہ کا ہے تم چاہے کسی طرف منہ کرو اس طرف خدا ہے" (سورہ بقرہ آیت ۱۰۹) مسیحیوں کا قبلہ پرستی کو رد کرنا یسعیاہ ۵۷: ۱۵ سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے "کیونکہ وہ جو عالی اور بلند ہے اور ابد آلاباد سکونت کرتا ہے۔ جس کا نام قدوس ہے یوں فرماتا ہے میں بلند اور مقدس مکان میں رہتا ہوں اور اس کے ساتھ بھی جو شکستہ دل اور فروتن ہے کہ عاجزوں کی روح کو جلاؤں اور خاکساروں کے دل کو زندہ کروں۔"

دوسرا رکن وضو کرنا ہے جو کہ ان مسلمانوں کے لئے کرنا نہایت ضروری ہے جو اپنی دعاؤں کو منظور کروانا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے قرآن میں یوں حکم آیا ہے "اے ایماندار وجب تم نمازپڑھنے کے لئے تیار ہو تو اپنے چہرے دھو ہاتھ کہنیوں تک دھو اپنے سر کو صاف کرو اور پاؤں کو بھی اچھی طرح دھو اگر پانی نہ ملے تو صاف ریت سے اپنے ہاتھ اور چہرے ملو" (سورہ مائدہ آیت ۸، ۹) اگر یہ حکم صرف صفائی کے لئے ہوتا تو ہم اس کے بارے میں کچھ نہ کہتے مگر چونکہ یہ دعا کے منظور ہونے کی ایک خاص شرط ہے لہذا اس کو ظاہر پرستی کا ایک نشان کہنا پڑتا ہے اور ساتھ ہی ہم کو اسموئیل ۱۶: ۷ کی آگاہی یاد آتی ہے۔ "خداوند آدمیوں کی مانند نہیں دیکھتا کیونکہ آدمی تو ظاہر پر نظر کرتا ہے پر خدا دل کو دیکھتا ہے" اب ہر ایک سمجھدار انسان سمجھ سکتا ہے کہ اگر وضو کی کچھ حقیقت ہے تو یہ صرف ایک ظاہری نشان ہو سکتا ہے پر یہ نہ تو دعا میں اثر پیدا کرتا ہے اور نہ ہی دعا کو منظور کرانے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہودیوں میں یہ دستور تھا یا نہیں پر ان میں کامل پاکیزگی کو حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے پائے جاتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حوالجات سے معلوم ہوتا ہے گنتی ۱۹ باب، احبار ۱۵ باب اور مرقس ۷: ۱، ۴۔ مسیح نے کبھی اپنے شاگردوں کو دعا مانگنا سکھاتے ہوئے ایسی رسم نہ سکھلائی بلکہ جس نظر سے وہ ایسی ایسی رسموں کو دیکھتا ہے وہ متی ۲۳: ۲۵، ۲۶ سے بخوبی معلوم ہو جائیگا "اے مکار اور ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ تم پیالہ اور رکابی کو باہر سے صاف کرتے ہو مگر اندر وہ گندگی سے بھرے ہیں۔ اے اندھو فریسیو پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کرو تاکہ وہ باہر سے بھی صاف ہو جائیں۔" (اور پھر مرقس ۷: ۶، ۱۳ سے مقابلہ کرو) پس یہ ظاہر ہوا کہ ہاتھ پاؤں دھونے سے دعا مانگنے کے اثر میں جو کہ صرف ایک روحانی

اور عقلی کام ہے کچھ فرق نہیں پڑتا اور قرآن چونکہ وضو کو ایک بڑا فرض قرار دیتا ہے لہذا صرف ایک ظاہری بات پر زور دیتا ہے جس سے پرستش میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ اگرچہ ہاتھ اور پاؤں دھونے کی رسم عربوں کے لئے جو زیادہ ننگے پاؤں رہتے ہیں آسان اور آرام دہ بھی ہے۔ مگر ان لوگوں کے لئے جو کہ موزہ اور جوتی پہننے کے عادی ہیں کیسی تکلیف دہ ہو گی اور خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو شمالی کرہ کی جانب جہاں برف کبھی نہیں پگلتی اور جہاں لوگ جم جانے کے خوف کے مارے مجبوراً بھاری بھاری کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانکے رکھتے ہیں۔ یہ رسم نہایت ہی نقصان دہ ثابت ہو گی کیونکر اس کے پورا کرنے سے ان کی صحت میں خلل آئیگا اور جن خطرے میں پڑیگی۔ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ اس وضو کی رسم پر دو اعتراض عائد ہوتے ہیں پہلا یہ کہ یہ ایک ظاہری رسم ہے جو کہ اس حکم کے بعد جو خدا نے انجیل میں دیا کہ پرستش روح اور راستی سے ہونی چاہیے ایک لاحاصل رسم معلوم دیتی ہے دوسرا یہ کہ یہ رسم ان ممالک میں جن کی آب وہوا عرب کے آب وہوا سے مختلف ہے مناسب نہیں ہو سکتی۔

نماز سے پہلے جگہ کا صاف کرنا عام طور پر عام طور سے ایک اچھی بات ہے جیسا کہ ہر ایک پاک شے کو صاف ستھرا رکھنا لازم ہے لیکن اس کا اثر دعا پر بالکل نہیں ہو سکتا جیسا کہ جسم کے دھونے کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ جو کہ خدا کو روح سمجھتا ہے جو ہاتھ سے بنائی ہوئی جگہوں میں نہیں رہتا ایسے شخص کے لئے یہ سمجھنا کہ ان ظاہری رسومات سے دعا پر اثر پڑے گا ایک نہایت دشوار امر ہے۔ کیا کوئی ان ایمانداروں کی دعاؤں کی سرگرمی سچائی اور منظوری میں شک کر سکتا ہے جو کہ تاریک غاروں میں یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر خدا کی پرستش کے لئے جمع ہوتے تھے؟ کیا ان کی دعائیں ان لوگوں کو دعاؤں سے جو ستھری سے ستھری مسجد یا گرجا گھر میں دعا کرتے ہیں جبکہ ان کا دل صاف نہیں بدرجہا بہتر نہیں اور کیا وہ خدا کو منظور نہیں؟

چونکہ مذکورہ بالا باتوں سے یہ صاف روشن ہے کہ قرآن کی تعلیم کہاں تک انجیل سے اعلیٰ ثابت ہوتی ہے لہذا ہم اب پانچ باطنی ارکان کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو کہ سچی دعا کے لئے ضروری سمجھے گئے ہیں۔ پانچ رکن یہ ہیں دعا مانگتے وقت سیدھے کھڑے ہونا قرآن کے بعض حصوں کو پڑھنا سارے جسم کو آگے جھکانا زمین پر سجدہ کرنا ایسا کہ پیشانی زمین پر لگے اور دعا کے بعد دوزانو ہو کر بیٹھا۔ یہ پڑھ کر کیا کوئی سچا خدا کا پرستار بغیر یہ افسوس کے ساتھ کہے رہ سکتا ہے کہ افسوس اس مذہب پر جو کہ ایسی ظاہری حرکتوں کو دعا کے لئے باطنی شرائط بنائے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں آیا مگر چونکہ یہ حدیثوں میں پیش کیا گیا اور چونکہ گمان غالب ہے کہ محمد صاحب نے بھی ان پر عمل کیا اور لوگوں کو کرنے کو کہا تو یہ اب تک مسلمانوں میں رائج ہیں۔ ان میں سے چار تو بالکل ظاہری حرکتیں ہیں لہذا ان کے غیر روحانی ہونے میں شک نہیں پر شاید پانچواں رکن یعنی قرآن کی آیتوں کا پڑھنا کچھ نہ کچھ دعا کو روحانی بناتا ہو پر افسوس دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بالکل نہیں کیونکہ محض آیتوں کا دہرانا بجائے اس کے کہ روحانیت پیدا کرے ایک محض ظاہری رسم ہو گئی ہے۔ اس بات کو زیادہ روشن کرنے کے لئے یہ کافی ہو گا اگر ہم یہ جان لیں کہ پانچوں وقت کی نماز میں جو کہ ہر ایک مسلمان پر فرض ہے قرآن کی پہلی سورۃ اور کئی حصے چالیس دفعہ اور الفاظ "سبحان ربی الاعلیٰ" (یعنی خداوند بزرگ کی تعریف ہو) ایک سو بیس اور ندائے "اللہ اکبر" (یعنی خدا بزرگ ہے) دو سو اکیس دفعہ اور الفاظ "سبحان ربی العظیمہ" (یعنی نہایت بڑے خدا کی تعریف ہو) دو سو چالیس دفعہ دہرائے جاتے ہیں۔ ایسے طریقوں سے نماز پڑھنا سوائے اس کے کہ رسم پرستی اور ظاہر پرستی کو بڑھائے اور کیا کر سکتا ہے انسانی طبعیت کا تقاضا ہے کہ اگر کوئی بات ایک طرح سے بار بار ہفتہ بہ ہفتہ اور سال بہ سال دہرائی جائے تو سوائے بداثری کے اور کچھ نہیں کرتی اور سیدنا مسیح کی بات صادق ٹھہرتی ہے جو کہ اس نے متی ۶: ۷، ۸ میں فرمائی "دعا مانگتے وقت غیر قوموں (مشرکین) کی مانند بے فائدہ بک بک نہ کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زیادہ گوئی سے سنی جائیگی۔ تم ان کی مانند مت ہو کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے جانتا ہے کہ تمہیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔"

دعا کے علاوہ مکہ کا حج مسلمانوں کے لئے الہیٰ عبادت میں شامل ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ "پہلی مسجد جو کہ انسان کے لئے بنائی گئی وہ مکہ میں تھی جو مبارک ہے اور لوگوں کے لئے برکت اور رہنمائی کا باعث ہے۔اس میں کافی نشان ہیں۔یہ ابراہیم کے اٹھنے اور بیٹھنے کی جگہ تھی اور جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ محفوظ ہے اور جو سفر کرنے کے لائق ہے اور جو اس مسجد کو حج کے لئے جاتا ہے وہ خدا کی گویا عبادت کرتا ہے "(سورہ العمران آیات ۹۰،۹۱) مسلمانوں کے یہ فرض بعینہ ان یہودی دستوروں سے ملتے ہیں جو کہ کسی وقت ان پر عائد تھے یعنی عہد کے صندوق کے زیارت کرنے جانا اور یروشلیم کی ہیکل (بیت اللہ) میں سال میں تین دفعہ جانا (خروج ۲۳: ۱۷۔استثنا ۱۶: ۱۶) یہودیوں کا ہیکل میں جانا خاص خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا کیونکہ خدا نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی حضوری وہاں ہوگی اور وہیں سے وہ اپنا مکاشفہ نازل کیا کریگا (خروج ۲۵: ۲۲، گنتی ۷: ۸۹۔استثنا ۱۲: ۵، ۱۲) مگر جب قوم یہود اپنے گناہوں کے سبب خدا سے دور ہوگئی (تواریخ ۳۶: ۱۳، ۱۹) تو اس نے سیدنا مسیح کے جسم کو ایک خاص ہیکل بنایا جس میں اس نے اپنے آپ کو ظاہر کیا (یوحنا ۲: ۱۹، ۲۱/ ۴: ۶، ۹/ عبرانیوں ۱: ۲، ۳) اور ایمانداروں کے دلوں میں اس نے روح القدس کو نازل کیا کہ وہ بھی سیدنا مسیح کی طرح خدا کی زندہ ہیکل بنیں (اعمال ۲ باب ۱ کرنتھیوں ۳: ۱۶، ۱۷/ ۲ کرنتھیوں ۶: ۱۶)۔یہ اس بڑے وعدے کا پورا ہونا ہے جس کی یہودیوں کی ہیکل ایک صرف مثال تھی۔اس کے بعد یہ پھر ہو نہیں سکتا کہ وہ از سر نو ایک اور جگہ کو چنے اور اس کو اپنے ظہور کی ایک خاص جگہ ٹھہرائے۔اس لئے انجیل میں کسی جگہ کی زیارت کرنے کے لئے نہیں لکھا اور سیدنا مسیح کے الفاظ ہر زمانہ کے لئے سچے اور برحق ہیں جو یوحنا ۴: ۲۱، ۲۲ میں پائے جاتے ہیں۔"وہ گھڑی آتی ہے کہ نہ تو اس پہاڑ پر (گرازیم کے پہاڑ پر) نہ یروشلیم میں تم خدا باپ کی پرستش کروگے۔۔۔۔۔پر خدا کے سچے پرستار باپ کی روح اور راستی سے پرستش کرینگے کیونکہ خدا اپنے پرستاروں کو ایسا ہی چاہتا ہے "اب اگر مذہب اسلام پھر کسی مسجد کی طرف جو پتھروں سے بنائی گئی ہو لوگوں کو راغب کرے اور ان سے کہے کہ وہاں کا حج کریں تاکہ وہ ان برکتوں کو جو اور کسی طرح سے حاصل نہیں ہوسکتیں حاصل کریں تو وہ اس روحانی درجہ سے گر پڑتا ہے جو مسیحی مذہب کو حاصل ہے اور ایسی جگہ آ ٹھہرتا ہے جو کہ مدت سے چھوڑ دی گئی ہے۔

مسلمانوں پر ماہِ رمضان میں روزہ رکھنا بھی ایک فرض ہے اس کا ماننا ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے "اے ایماندارو تمہارے لئے ایسے روزے جو تم سے اگلوں کے لئے بھی مقرر کئے گئے تھے مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ تم خدا سے ڈرو۔ماہ رمضان میں جس میں کہ قرآن لوگوں کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا تھا جب تم پہلا چاند دیکھو تو روزہ رکھنا شروع کردو لیکن جو بیمار ہیں یا سفر میں ہیں وہ اتنے ہی روزے پھر کسی اور وقت رکھیں "سورہ بقرہ آیات ۱۷۹، ۱۸۳۔یہ الفاظ جیسا کہ تم سے اگلوں کے لئے مقرر کئے تھے، ظاہر کرتے ہیں کہ یہ رسم بنی اسرائیل سے لی گئی ہے۔ہم کو عربی مورخ تباری سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صاحب نے برسوں تک کفارہ کے روزہ کو مانا جو کہ عبرانی زبان میں "عشور" (یعنی دسواں) کہلاتا تھا کیونکہ یہ ہمیشہ یہودیوں کے ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو آتا تھا (احبار ۲۳: ۷، ۳۷) پر جب محمد صاحب کی طاقت مدینہ میں بڑھ گئی اور یہودیوں سے نفاق بھی زیادہ ہوگیا تو اس کے بجائے ماہِ رمضان کے روزے مقرر ہوئے۔خیال کیجئے کہ نئے عہد نامہ میں روزے کی ممانعت نہیں پر برعکس اس کے یہ ہر ایک پر منحصر ہے کہ اگر وہ سمجھے کہ روزے رکھنے سے وہ گناہ کرنے سے بچتا ہے یا اگر روحانی فرائض کو زیادہ اچھی طرح ادا کرسکتا ہے تو ضرور روزہ رکھے جیسا کہ ان حوالجات سے ظاہر ہے متی ۴: ۲/ ۶: ۱۶، ۱۷/ ۹: ۱۵۔اعمال ۱۳: ۲، ۳ لیکن کسی پر یہ فرض نہیں ٹھہرایا کہ وہ کسی خاص دن کا روزہ رکھے جیسے یہودی رکھتے تھے یا ایک خاص مہینے تک روزے رکھے جیسے مسلمان رکھتے ہیں۔اگر بعض ملکوں کے مسیحی مثلاً لاطینی یونانی یا آرمینی کلیسیاؤں کے شریک اب تک روزہ رکھتے ہیں تو وہ اس لئے نہیں رکھتے کہ ان کو بائبل میں خاص حکم ہے پر اس لئے کہ وہ دستور کے مطابق رکھتے چلے آئے ہیں لیکن انگلستان کی کلیسیائیں اور پروٹسٹنٹ کلیسیائیں کسی پر یہ بوجھ حکماً نہیں لگاتیں بلکہ صرف پرہیزگاری پر زور دیتی ہیں۔اگر کوئی چاہے کہ روزہ رکھے تو وہ بخوشی رکھ سکتا ہے۔اب اگر پھر مسیحی مذہب اور اسلام کا

مقابلہ اس لحاظ سے کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ مسیحی مذہب جو ایسی ایسی ظاہر داریوں کو مجبوراً عائد نہیں کرتا پر ہر ایک پیرو کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے بمقابل اسلام کے جو حکماً ان کو لوگوں کے لئے مقرر کرتا ہے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ جو کچھ خود بخود کیا جائے یا خدا کی محبت کے سبب کیا جائے وہ اس بچہ کے کام کی مانند ہے جو والدین کی تابعداری بخوشی کرتا ہے لیکن وہ جو حکماً کیا جائے ایک غلام کے کام کی مانند ہے۔ مسیحی مذہب کی بزرگی اس سبب سے نہیں کہ اسلام رمضان کے روزوں کو حکماً مقرر کرتا ہے جبکہ مسیحی مذہب ایسی ظاہری باتوں کو قانوناً مقرر کرنا جائز نہیں سمجھتا پر اور بھی وجوہات ہیں جن کی رو سے ایسی رسم کا مقرر کرنا خدا کی رضامندی انصاف اور دانائی کے برخلاف ہے لہذا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نہ اس کی طرف سے اور نہ اس کی خواہش سے دوبارہ ٹھہرائے گئے۔ یہ بات سچ ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا بہتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا مگر بڑے بڑے ڈاکٹروں کی یہ رائے ہے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو چونکہ دن کو کھانا پینا بالکل بند کر دیتے اور رات کو ایک پورے مہینہ بھر خوب کھاتے پیتے ہیں خصوصاً جبکہ رمضان کا مہینہ گرمیوں کے موسم میں پڑے اپنی صحت کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں اور بسا اوقات اسی سبب سے مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تو کیا یہ خدا کی رضامندی اور دانائی کے مطابق ہو گا کہ روزوں کو مجبوراً لوگوں کے لئے مقرر کرے جبکہ صحت کو جو کہ سب سے بڑی برکت ہے ایسا سخت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو؟ کیا جو روحانی فائدہ روزوں کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور وسیلوں سے نہیں ہو سکتا؟

یہی ایک بات نہیں بلکہ اس رسم پر ایک اور طرح غور کرنے سے بھی معلوم ہو جائیگا کہ کسی حالت میں یہ اسلام کو مسیحی مذہب سے اعلیٰ نہیں ٹھہرا سکتی۔ مسیحی مذہب کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر ایک فرقہ مذہب ملت قوم و ملک کے لئے ہے اور کہ دنیا کی ہر قوم کے لئے ٹھیک ہے۔ اب چونکہ اسلام مسیحی مذہب پر فوقیت ظاہر کرتا ہے لہذا یہ ہر ایک ملک اور قوم کے لئے اور بھی زیادہ ٹھیک اور مناسب حال ہونا چاہیے لیکن اس روزہ رکھنے کی رسم سے ہم کو کیا معلوم ہوتا ہے؟ ہر ایک جو کہ علمِ جغرافیہ سے واقف ہے جانتا ہے کہ منطقہ حارہ میں دن اور رات تمام سال برابر ہوتے ہیں لیکن منطقہ معتدل اور منجمد میں چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ بعض بعض جگہوں میں دن رات سے چار یا چھ گنا بڑا ہوتا ہے اور بعض جگہوں میں رات دن سے چار یا چھ گنی بڑی ہوتی ہے۔ مسلمان چونکہ آفتاب کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک روزہ رکھتے ہیں تو یہ نتیجہ نکلا کہ منطقہ حارہ کے لوگ تو صرف بارہ گھنٹے روزہ رکھینگے لیکن وہ جو کہ زیادہ شمال کی جانب رہتے ہیں مثلاً استنبول جیسی جگہ میں ان کو ۱۶ یا ۲۰ گھنٹے روزہ رکھنا پڑیگا۔ لیکن یہ خدا کے عدل و انصاف کے مطابق ہو سکتا ہے؟ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ۶۷ درجہ شمال میں دن قریباً ایک مہینہ تک رہتا ہے۔ ۶۹ درجہ میں دو مہینے اور ۷۳ درجہ میں تین مہینے کا دن ہوتا ہے یعنی سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے درمیان ایک دو یا تین مہینہ کا فرق ہوتا ہے۔ اب اگر ان جگہوں کے مسلمان رمضان کے روزے اس قاعدے سے رکھیں یعنی سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک اور اس وقت کے درمیان کچھ نہ کھائیں پیئں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سب کے سب فاقے سے پیشتر اس سے کہ وہ اس جگہ کی دوپہر کی نماز پڑھے کے قابل ہوں مر جائینگے۔ ان باتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ رمضان کے روزوں کے قاعدے کل بنی نوع انسان کے لئے ٹھیک نہیں۔ اب انہی جگہوں میں ہزاروں مسیحی ہیں جو کہ کسی ایسی رسم سے مجبور نہیں ہوتے کہ بھوک سے ہلاک ہوں۔ پس یہ ظاہر ہے کہ اسلام کم از کم اس بات میں مسیحی مذہب سے ہر گز بہتر نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی پیروی سے شمالی قطب کے لوگ کبھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ کیا ایسی رسم خدا کی طرف سے نازل ہو سکتی ہے جو کہ کل بنی آدم کے لئے ٹھیک نہ ہو؟ کیا ہم یہ کہیں کہ خدا نے ایسی رسم مقرر کرنے کے سے جس کو کہ تمام قومیں مان نہیں سکتی غلطی کی؟ یا یہ کہیں کہ محمد صاحب نے غلطی کی کہ انہوں نے لوگوں کو ماہِ رمضان میں سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک تمام دنیا میں روزہ رکھنے کو کہا؟ اسکا جواب ہم روشن ضمیر مسلمان صاحبان ہی پر چھوڑتے ہیں۔

(۳)خدا کی بادشاہت کی بابت

جبکہ ہم نے مسیحی مذہب اور موسوی شریعت کا مقابلہ خدا کی بادشاہت کے بارے میں کیا تو ہم نے جتلایا تھا کہ سیدنا مسیح کے نازل ہونے نے خدا کی بادشاہت میں ایک بڑی بھاری تبدیلی پیدا کی کیونکہ اس نے خدا کی بادشاہت کو قومی بادشاہت سے ایک عالمگیر بادشاہت قرار دیا۔ختنہ کی رسم بھی اٹھادی جس سے یہ در حقیقت ایک روحانی بادشاہت ہوگئی اور ہر ایک انسان کے لئے خواہ وہ کسی فرقہ ومذہب وملت کا کیوں نہ ہو دروازہ کھول دیا اور ہر ایک جو سچائی سے اس کا خواہاں ہو اور جو اپنے تعلق کو خدا سے اور انسان سے پھر بحال کرنا چاہتا ہو اس کو قبول کر کے حاصل کر سکے۔سیدنا مسیح کی تعلیم کے بموجب خدا کی بادشاہت ملکی تعلقات مجلسی رسومات اور خاندانی طریقوں سے بالکل جدا قائم ہو سکتی ہے۔یہ ہر ایک ملک میں بغیر اس کی دنیاوی سلطنت کو ردوبدل کئے قائم ہو سکتی ہے۔یہ اس جہان کی نہیں بلکہ سچائی اور صداقت کی بادشاہت ہے۔چونکہ یہ روحانی اور خصوصاً مذہب ہی کی بنا پر قائم ہے لہذا یہ ہر ایک حالت اور ہر ایک ملک میں جہاں جہاں آدمی ہیں بغیر دنیاوی حاکموں اور بادشاہوں کی حمایت کے قائم ہو سکتی ہے اس کا مقصد کسی خاص قوم کی دنیاوی قوت کو بڑھانا نہیں پر خدا کے جلال کو بزرگی دینا اور اس کی سلطنت کو انسان کے دل میں خاندان میں اور ہر ملک میں پھیلانا ہے۔جو جو اس کو قبول کرتے اور اس میں داخل ہوتے ہیں وہ سب پاک بردارانہ الفت اور محبت سے ایک ہو جاتے ہیں اور ان کو بہتر خوشحال اور زیادہ دانا آدمی بنا دیتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو آنے والے جہان کو جلالی خدمت اور خوشی کے لئے تیار کرتی ہے۔اب اگر یہ دعویٰ برحق ہو کہ اسلام مسیحی مذہب سے اعلیٰ ہے تو کیا اس کا یہ فرض نہیں کہ اس آسمان کی بادشاہت کے بارے میں کوئی بہتر اور زیادہ روحانی تعلیم پیش کرے جو دنیا کی قوموں کے لئے زیادہ مناسب ہو اور کہ اس دنیا میں آدمیوں کو زیادہ خوش دانا اور صادق بنائے اور جو موت کے بعد انسان کو ابدی زندگی اور اس کے جلال کی بہتر امید دے؟ وہ جو کہ دونوں مذاہب سے بخوبی واقف ہیں جانتے ہیں کہ یہ باتیں اسلام میں نہیں پائی جاتیں۔

آؤ ہم اس امید کے بارے میں جو مسیحیوں کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے کچھ ذکر کریں۔ہر ایک مسیحی سیدنا مسیح کے زندہ ہونے میں اپنے دوبارہ زندہ ہونے کو بخوبی سمجھ لیتا ہے اس لئے موت اس کے لئے کوئی خوفناک انجام نہیں بلکہ مرنا اس کے لئے مسیح میں سونا ہے "(۱کرنتھیوں ۱۵ باب۔ اعمال ۷:۶۰۔۱تھسلنیکیوں ۴:۱۴) کوئی نقصان نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہے (فلپیوں ۱:۲۱ مکاشفات ۱۴:۱۳) ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ گو بہت سے مسلمان مرنے سے ڈرتے ہیں پر تو بھی ان کا مذہب ان کو دوسری دنیا کے حاصل کرنے کی بابت بہت کچھ سکھاتا ہے اور بہت سی مثالیں ایسی بھی ہیں کہ جب وہ مرنے کو تھے تو وہ یہ کہکر پکارے "مجھے خیال ہے کہ میں سیاہ آنکھ والی حوروں کو دیکھتا ہوں جو کہ مجھے آنے کے لئے اشارہ کر رہی ہیں "لیکن اس خوشی میں جو کہ ان کو موت کے وقت ہوتی ہے ایک بات پائی جاتی ہے جس کی رو سے ان کا مذہب مسیحی مذہب سے روحانیت میں کم نظر آتا ہے۔مسلمان کی خوشی تو دوسرے جہان کی عیاشی کی امید ہے مثلاً عمدہ ونفیس پوشاک میں لذیز خوراک اور دلفریب شراب میں اور بے شمار حوروں کی صحبت میں پر برعکس اس کے مسیحی کی خوشی اس کے اپنے خداوند سے ملنے میں ہے اور نئے جسم میں ہو کر خدا کی رفاقت میں رہنے سے ہے تمام گناہوں سے پاک ہو کر کامل پاکیزگی میں رہنے سے ہے (۲کرنتھیوں ۵:۱تا۹) فلپیوں ۱:۲۰تا۲۲، رومیوں ۸:۱۰تا۲۵۔مکاشفات ۲۱:۱تا۷) قرآن میں ہم یہ پڑھتے "وہاں حوریں ہونگی سیاہ آنکھوں والی جیسے کہ موتی جو سیپ میں بند ہو یہ سب ان کو پچھلے کاموں کے اجر میں ملینگی۔۔۔ہم نے ان کو عجیب طرح سے خلق کیا ہے وہ ہمیشہ کنواریاں رہینگی اور اپنے آدمیوں کی عزیز رہینگی ان لوگوں کے لئے جو دہنے ہاتھ پر ہونگے ان کے لئے ہم نے حوروں کو ان کی برابر عمر کی بنایا اور پہلی اور پچھلی پشتوں کے لئے بے شمار بنایا"(سورہ واقعہ آیات ۲۲،۲۳،۳۴،۳۹) لیکن اس کا بالکل برعکس خاکہ خدا کی بادشاہت کا جو آنے والی دنیا میں

ہو گا ہم انجیل میں سیدنا مسیح کے ان الفاظ میں پاتے ہیں "کیونکہ وہاں نہ بیاہ کرتے نہ بیاہے جاتے ہیں لیکن آسمان میں خدا کے فرشتوں کی مانند ہیں" (متی ۲۲: ۲۳، ۳۳) یعنی وہ جورو اور خاوند کی طرح نہ رہینگے جیسا کہ اس دنیا میں رہتے ہیں۔ یہ ثابت ہوا کہ قرآن اس بات کے لحاظ سے انجیل سے روحانی تعلیم میں بہت ہی کم ہے بلکہ وہ دنیاوی خیالات کو پیش کرتا ہے۔

ایسا ہی مقابلہ ہم ختنہ کی رسم کو مدِ نظر رکھ کر کر سکتے ہیں جو کہ یہودیوں کے لئے محض ایک نشان تھا جس کی رو سے وہ خدا کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ قرآن میں اس رسم پر چلنے کا حکم نہیں مگر تو بھی ہم جانتے ہیں کہ سب مسلمان اس کو ایک مذہبی فرض سمجھ کر کرتے ہیں۔ مگر انجیل کی مذکورہ بالا آیات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مسیحی مذہب جسمانی ختنہ کا ہرگز طلبگار نہیں بلکہ دلی پاکیزگی اور روحانی زندگی کا خواستگار ہے۔ پس ثابت ہوا کہ محمدی مذہب چونکہ اس رسم کو اب تک جاری رکھنے کا حکم دیتا ہے لہذا یہ اس بات کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہا ہے جس کو خدا نے انجیل میں بیفائدہ ٹھہرایا۔

محمدی اور مسیحی مذہب میں سب سے بڑا فرق خدا کی بادشاہت کے بنیادی اصول کے بارے میں ہے۔ ان الفاظ یعنی "خدا کی بادشاہت" سے وہ بادشاہت مراد ہے جو کہ خدا نے اس دنیا میں اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے سے جاری کی تاکہ لوگوں کو ان کے گناہوں سے اور ان تمام نتائج سے جو کل بنی نوع انسان سے ان کے پہلے ماں باپ آدم اور حوا کے گرنے (گناہ کرنے) سے لاحق ہوئے رہائی ہو اور تاکہ وہ آسمان میں داخل ہونے کے لائق ٹھہریں۔ بالعموم یہ پینتکوست کے دن سے شروع ہوتی ہے۔ آؤ اس بادشاہت کے اصول پر غور کریں۔ خدا نے اس کو سچائی کی بادشاہت کہا جو کہ روحانی اور باطنی ہو یہ نہ صرف ہم سیدنا مسیح کے الفاظ سے سنتے ہیں بلکہ اس کے رسولوں نے بھی اس کی بابت یہی کہا ہے لہذا نہ مسیح نے اور نہ ہی کسی اس کے رسول نے کسی حاکم یا بادشاہ کو جب انہوں نے انجیل کو نہ مانا اس کی حکومت یا سلطنت سے برطرف کرنے کی کوشش کی بلکہ برعکس اس کے نئے عہد نامہ میں تو حاکموں اور بادشاہوں کی فرمانبرداری پر زور دیا ہے۔ غور کیجئے یہ حکم اس وقت دیا گیا جبکہ مسیحی ایماندار غیر لوگوں کے ماتحت تھے اور جب ان پر طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے۔ محمد صاحب نے اس کے برخلاف کیا یعنی وہ فوراً ان حکومتوں پر حملہ آور ہوئے جو ان کی فرمانبردار نہ ہوئیں اور خود دینی اور دنیاوی اختیارات کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور اسلام یوں شروع ہی سے نہ صرف مذہب ہی رہا بلکہ ایک دنیاوی سلطنت بھی قرار پایا۔ سیدنا عیسیٰ مسیح نے صاف دنیاوی بادشاہت اور خدا کی بادشاہت میں فرق بتایا جو چیزیں قیصر کی ہیں قیصر کو اور جو خدا کی ہیں خدا کو دو۔ مگر محمد صاحب نے دنیاوی سلطنت اور مذہب میں اختیار نہ کیا اور بذات خود ایک خدا کے پیغمبر کے اور ایک دنیاوی قیصر کے اختیارات لے لئے۔ ایک عام فہم آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام کا کمال اس میں ہے کہ اس میں دنیاوی بادشاہت اور مذہب ایک ساتھ رکھے گئے مگر مسیحی مذہب میں چونکہ یہ نہیں ہے لہذا وہ نامکمل ہے پر درحقیقت مذہب اور سلطنت کا باہم ملا دینا بے شمار کمزوریوں کا اور تنزل کا باعث تواریخ سے ثابت ہو چکا ہے اور برعکس اس کے جہاں جہاں مذہب اور سلطنت علیحدہ علیحدہ قرار دئے گئے وہاں طاقت ظاہر ہوئی اور بے شمار باتوں میں ترقی پیدا ہوئی۔ چونکہ اسلام میں دنیاوی حکومت ملائی گئی لہذا وہ لوگ جنہوں نے دولت اور طاقت کو سچائی پاکیزگی اور خدا کی رفاقت سے بہتر جانا اس کی طرف مائل ہو گئے اس سبب سے بحیثیت مذہب یہ صاف و پاک نہ رہ سکا پر چونکہ مسیحی مذہب نے شروع ہی سے دنیاوی حکومت کو برطرف کیا اور خدا کے ساتھ پوری رفاقت پر زور دیا اور چونکہ اس پر طرح طرح کے ظلم برپا ہوئے لہذا دنیا دار لوگ اس میں داخل نہ ہوئے پس یہ شروع ہی سے اپنے بانی مسیح کی روحانی پاکیزگی اور بزرگی میں بڑھتا گیا جس کے گواہ دشمن بھی ہیں۔ اسلام کی یہ بڑی غلطی جس کی رو سے مذہب اور سلطنت ملائے گئے بہت سی باتوں میں ظاہر ہوتی ہے جس سے یہ مذہب مسیحی مذہب کی طرح کل بنی نوع انسان کے لئے یکساں موزوں نہیں ہو سکا پر اس سے کم ہی رہا لہذا یہ روحانی ترقی کا اعلیٰ درجہ بمقابلہ مسیحی مذہب کے پیش نہیں کرتا۔ اب ہم ان چند برائیوں کا ذکر کرینگے جو کہ سلطنت اور مذہب کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے۔

مذہبی روسے پہلی غلطی یہ ہے کہ محمد صاحب کے بعد خلیفوں یااس کے اور جانشینوں کاہونالازمی ٹھہرا۔اگروہ صرف ایک مذہب ہی کا بانی ہوتا توخلفاء کی کوئی ضرورت نہ ہوتی پر صرف استادوں کی ضرورت ہوتی جواس مذہب کو سکھاتے اور لوگوں کی جواس پر عمل کرتے جیساک سیدنا مسیح نے اپنے بعد کوئی خلیفہ نہ مقرر کیا مگر صرف استاد اور مبشروں کو ٹھہرایا جن کے وسیلہ سے اس کا مذہب اپنی ذاتی روحانی قدرت کے سبب تمام بنی آدم میں پھیل گیا۔سیدنا مسیح نے بحثییت مسیحی مذہب کے بانی ہونے کے اپنے بعد کوئی جانشین نہ مقرر کیا کیونکہ اس نے بذات خود نجات کے کام کو پوری طرح کامل کرکے ختم کیااور کوئی ضرورت باقی نہ چھوڑی سوائے اس کے کہ لوگ اس کو سچائی اور ایمان سے قبول کریں۔ایک اور سبب سے اس کے جانشین ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود مردوں میں سے زندہ ہوااوراب اپنی کلیسیا میں بشخصیہ ایک نادیدہ صورت میں موجود رہتاہے بلکہ ہر ایک ایماندار کے دل میں بحیثیت خداوند حاضر رہتاہے۔ برعکس اس کے چونکہ محمد صاحب نے مذہب کی جگہ ایک حکومت کی بنیاد ڈالی لہذااس کے بعد خلفا کا یا جانشین کا ہونا لازم ٹھہرا۔ محمد صاحب چونکہ خود نبی اور سلطان تھے لہذاان کا دوسرا جانشین اعلیٰ امیر المومنین یعنی ایمانداروں کا حاکم کہلایا۔چونکہ اسلام میں مذہب او رحکومت دونوں ملی ہوئی تھیں اس لئے خلفانے اس کی تعلیم کے موافق سب مسلمان رعایاسے پوری اطاعت قبول کروائی اور رعایانے بھی ایسوں ہی کی حکومت کو قبول کیا جنہوں نے مذہب اور سلطنت دونوں کو ملا کر پیش کیا۔لہذا خلفااور مسلمانوں کواس طور کے کام کے سبب مذہب بحیثیت مذہب ایک طرف کرناپڑااور اسلام نے دنیاوی حکومت کی شکل اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی حکومتوں کی طرح زوال پذیر ہوا۔خلفاچونکہ مذہبی استادوں کے عوض دنیاوی حاکم تھے لہذا طرح طرح کی سازشوں میں پڑگئے جیساکہ اور دنیا کے حاکموں کا طور ہے اور یوں مذہب کے اصلی مقصد سے دور ہوگئے اور یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ بہت جلد مسلمان ایک دوسرے سے جدا ہوگئے جیساکہ جنگِ ناقہ سے معلوم ہوتاہے جہاں صرف محمد صاحب کی موت کے ۲۵ برس ہی کے بعد قریباًدس ہزار مسلمان اپنے ہی بھائیوں سے قتل کئے گئے۔یہ بات بھی سب کو معلوم ہے چار میں سے تین خلفا کاانجام کیسا ہولناک ہوا ایک تو ایک فارسی سے مارا گیا جس نے اپنے ملک کی خاطر اس کو قتل کرکے بدلہ لیااور دو ملکی معاملات کی وجہ سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے مارے گئے اور چوتھا علی جو کہ محمد صاحب کا بھائی اور داماد تھا نہ تو معاویہ کو مغلوب کرسکااور نہ ہی سیریا کے مسلمانوں کو اپنے ماتحت لاسکااور علی کے بعد اس کا بیٹا حسن انہی ملکی سازشوں کے باعث اپنے باپ کا جانشین نہ ہوسکا بلکہ سلطنت کو اپنے دشمن کے حوالہ کرناپڑا۔ قابل غور بات یہ بھی ہے کہ ان چاروں خلفا کے حقوق پر اتنا تنازع ہے کہ مسلمان دو بڑے فرقوں میں منقسم ہیں یعنی شیعہ اور سنی جو کہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے لعن طعن کرتے اور بسااوقات لڑتے بھی ہیں۔اب یہ ہر ایک پر روشن ہے کہ یہ سب باتیں شروع ہی سے کمزوری اور تنزلی کا باعث ہیں اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ قرآن میں مذہب اور دنیاوی حکومت دونوں کو ملادیا گیاہے یہ بات سچ ہے کہ مسیحی قوموں میں بھی مذہبی جنگ اور جدل ہوئے مگر یہ مسیح کے آسمان پر چلے جانے کے کئی سو برس بعد واقع ہوئے مگران کا سبب لوگوں کی جہالت اور کم علمی تھا خصوصاً زندہ اور سچے ایمان کی پیروی نہ کرنا تھا جو مسیح اور اس کے شاگردوں نے اپنی پاک زندگیوں سے ظاہر کیا تھا۔

ایک اور برائی جو اس سبب سے ظاہر ہوئی وہ خصوصاً غیر مسلمانوں کے لئے پیدا ہوئی۔ مسیحی مذہب تو غیر مسیحیوں کے لئے یہ سکھاتاہے کہ ان کو رحم کی نظر سے دیکھا جائے کیونکہ وہ راہِ راست سے گمراہ شدہ لوگ ہیں ان کو محبت سے آسمانی باپ کی طرف راغب کیا جائے تاکہ وہ سچی توبہ کرکے سیدنا مسیح پر زندہ ایمان لاکر اپنے گناہوں سے بچ جائیں مگر مسلمانوں کو غیر مسلمانوں کے لئے یہ تعلیم ملتی ہے کہ وہ نہ صرف کافر بلکہ ملک کے دشمن سمجھے جائیں اور ان سے جبراً اطاعت قبول کروائی جائے۔قرآن میں بھی یہ تعلیم پائی جاتی ہے "کافروں سے لڑو یہاں تک کہ لڑائی ختم ہوجائے اور خدا کا ایک ہی مذہب قائم ہوجائے (سورہ انفال آیت ۴۰) اور مائدہ آیت ٦٦ میں یوں لکھا ہے "اے رسول تو ایمانداروں کو لڑنے کے لئے ابھار اگر بیس تم میں سے

کمربستہ ہو کر لڑیں تو دو سو کو شکست دینگے اور اگر سو ہوں تو ہزار کافروں کو شکست دینگے کیونکہ کافر عقل و دانائی سے خالی ہیں" ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ منکروں کو جبراً رسول کے فرمانبردار بنائیں کیونکہ یہ ان حکموں سے ثابت ہوتا ہے جو محمد صاحب نے ساتویں ہجری میں تمام قرب وجوار کے بادشاہوں کے پاس بھیجے کہ وہ سب اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اور پھر یہ ان تباہ کن لڑائیوں سے ثابت ہوتا ہے جو کہ مسلمانوں نے غیروں کو رسول کی تابعداری میں لانے کے لئے کیں۔ علاوہ اس کے واقدی کا محرر اس بات کو ان الفاظ سے ثابت کرتا ہے جو محمد صاحب نے مرنے سے پہلے کہے "میرے لوگوں میں سے ایک فرقہ ایسا ہوگا جو حق کے لئے لڑنے سے جب تک کہ دجال نہ آوے باز نہ رہیگا" یہ سب حکم بے فائدہ نہ رہے۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے نہایت کوشش اور سرگرمی سے ان پر عمل کیا اور بہت سے ملک لڑائیوں کے شور وغل سے تباہ ہو گئے جو مذہب کی آڑ میں لڑی جاتی تھیں۔ جب فتوحات ختم ہوئیں تب بھی ملک تباہی اور خستگی میں مبتلا رہے۔ اگر مفتوح قومیں اپنے مذہب پر رہنے میں اصرار کرتیں تو فاتح فوج بجائے اس کے کہ خود انکاری اور محبت سے پیش آئے ان کو طرح طرح کی تکلیفوں سے دکھ پہنچاتی۔ کوئی بھی ایسا ملک نہیں جو مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور اس کے باشندوں کو جو دوسرے مذاہب کے تھے اپنے ساتھ برابر کے حقوق دئے ہوں۔ برعکس اس کے ان کے ساتھ مفتوح قوم کا سا سلوک کرتے تھے جو مجبوراً مسلمانوں کو اپنا سردار تسلیم کرتے۔ یہ حال ایسا بڑھ گیا کہ سرکاری خط و کتابت میں بھی ان کو بُرے بُرے ناموں سے منسوب کیا جاتا تھا پس ان باتوں سے ظاہر ہے کہ چونکہ اسلام میں دنیاوی حکومت اور مذہب کو باہم ملایا گیا لہذا نہ صرف اس سے مذہبی پاکیزگی اور روحانیت جاتی رہی بلکہ وہ سلطنت کے ایک خاص فرض کو بھی نہ انجام دے سکا یعنی اس نے اپنی رعایا کو انصاف اور حق پسندی سے نہ رکھا اور ایک کو دوسرے پر بے انصافی سے ترجیح دی۔ گو یہ خوشی کا باعث ہے کہ حال ہی میں مسلمانوں کی سب سے بڑی موجودہ سلطنت یعنی ترکی نے یہ قانوناً ناجائز ٹھہرایا کہ کسی غیر مسلمان کو سرکاری خط و کتاب میں برا بھلا کہا جائے اور اب ان غیر مسلمانوں کے ساتھ کم از کم برا سلوک نہیں کرتے پر مسلمانوں کی حکومت کی یہ قابل تعریف بات جو کہ انہوں نے غیروں کو انصاف اور حق پسندی کے ساتھ سلوک کرنے میں ظاہر کی قرآن کی تعلیم کے باعث یا مذہبی اثر کے باعث نہیں بلکہ یہ موجودہ سلطان کی اس چال کے بموجب ہے جو اس نے اپنے ملک میں مسیحی ملکوں کے موافق اصلاح جاری کرنے کی غرض سے اختیار کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس مذہبی اور دنیاوی حکومت کے ملانے کے سبب خونریز لڑائیوں کی ابتدا ہوئی جو کہ بے شمار فوجوں کے رکھنے کے باعث خود بخود واقع ہوئیں ملکوں پر طرح طرح کی تکالیف آئیں اور لوگوں کو بدتر اور خراب حالت میں پہنچایا۔ مسیحی مذہب چونکہ صرف ایک مذہب تھا لہذا شروع ہی سے صلح و سلامتی کے طریقوں سے اور پاک نمونہ سے پھیلایا گیا۔ اگر کوئی مسیحی ملک کی سلطنت اپنی فوجوں کو مسلمانوں یا بت پرستوں کو جبراً مسیحی بنانے کے لئے بھیجے تو یہ مسیح کی تعلیم کے اور ہر ایک مسیحی کی خواہش کے بالکل خلاف ہوگا۔ گو دونوں مذاہب کی اشاعت میں اتنا بڑا فرق ہے لیکن تو بھی مسیحی مذہب بہ نسبت اسلام کے دنیا میں جلد اور زیادہ پھیلتا جاتا ہے اور یہ اپنی برکتیں بغیر خون بہائے یا ظلم کے ان سب پر جو اس کو قبول کرتے ہیں۔ نازل کرتا ہے جبکہ اسلام طبعی طور پر غیروں پر جو اس کو رد کرتے ہیں لڑائی کرنے کے لئے اور ان کو اپنے تابع کرنے پر مجبور ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے پیروں کو کسی طرح کے فائدے پہنچائے۔ ان دونوں حالتوں پر نظر رکھ کر ہر ایک بے تعصب شخص پر یہ روشن ہو جاتا ہے کہ ان دونوں مذاہب میں سے کونسا بلحاظ فائدہ پہنچانے کے بہتر اور اعلیٰ ہے یا کونسا لوگوں کی ضروریات کے مطابق اپنی ذات میں اچھا ہے۔

اب جیسا کہ اسلام اپنے ملکی اور مذہبی تعلق کے لحاظ سے غیر مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا ویسا ہی وہ مسلمانوں کے لئے بھی کوئی بڑے فائدہ کا باعث ثابت نہیں ہوتا۔ ان کے لئے بھی یہ نقصان کا باعث ہے کیونکہ جبکہ اس میں ملکی اور مذہبی قانون میں امتیاز نہیں کہ دونوں ایک ہی منبع یعنی اس کے بانی سے اخذ کئے جاتے ہیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان سلطنت مذہبی فرائض کو اسی زور و جبر سے پیش کرنے پر مجبور ہو گی جیسا کہ ملکی فرائض کو۔

لیکن یہ مسلمانوں کی اخلاقی ترقی کے لئے ایک نہایت خطرناک بات ہے کیونکہ جب تک مذہبی فرائض دلی خواہش سے اور خدا کی فرمانبرداری اور محبت سے پورے نہ کئے جائیں خدا کو منظور نہیں ہوتے اور اگر یہ ظاہر داری کے لئے یا بیرونی حکم کے زور سے کئے جائیں تو یہ صرف فرضی ہونگے اور مکاری پر مبنی ہونگے۔ فرض کرو کہ اگر کوئی مسلمان چاہے کہ ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور وہ اس بات کا قائل ہو کہ یہ خدا کی مرضی نہیں پر تو یہ بھی وہ لوگوں کے ڈر سے یا سزا کے ڈر سے جس میں اس کو گدھے پر دُم کی طرف منہ کر کے بیٹھ کر شہر میں گھومنا پڑے روزہ رکھے تو ایسے مذہبی فرائض کا ادا نہ کرنا صرف خدا کو نامنظور ہوتا ہے بلکہ سراسر مکاری مانا جاتا ہے۔ اس طرح اسلام چونکہ مذہبی فرائض کو حکماً جاری کرتا ہے لہذا وہ ایک مکاری بڑھانے کا یعنی گناہ کرانے کا سبب ہوا۔ ممکن ہے کہ کوئی مسلمان قائل ہو جائے کہ اسلام سچا مذہب نہیں اور وہ دوسرے مذہب کی جس کو وہ سچا خیال کرے پیروی کرنی چاہے پر اگر وہ اس خوف سے کہ مذہب کی تبدیلی شاید موت کا فتویٰ جاری کروائے ظاہر اطور پر اپنی مرضی کے خلاف مسلمان ہی رہے تو یہ ایک سخت بزدلی اور مکاری ہو گی جو کہ وہ اسلامی مذہب کی تعلیم کی رو سے کرنے پر مجبور ہوتا ہے بھلا ایک آدمی کو اس کی مرضی کے خلاف جبراً ایک مذہب میں رکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ ایسا حکم ہرگز خدا کی جانب سے نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کبھی کسی آدمی کو اس کی مرضی کے خلاف کسی مذہب میں رہنے یا نہ رہنے کے لئے مجبور نہیں کرتا بلکہ اس پر سچائی کو دلیلوں سے اور، اور باتوں سے ظاہر کرتا ہے جو اس کی طبیعت کو رفتہ رفتہ اس طرف مائل کرتی ہیں۔ وہ ایسی دلیلوں سے ظاہر کرتا ہے جو انسان کی عقل اگر وہ اچھی طرح استعمال کی جائے بآسانی سمجھ لے اور ایسے طریقوں سے پیش کرتا ہے جس کی انسان کا دل خود بخود اختیار کرتا ہے۔ قرآن میں خود اسکی تائید کی گئی ہے دیکھو سورہ بقرہ آیت ۲۵۷ "مذہب میں کسی قسم کی زبردستی نہ ہو" مگر یہ آیت بالکل برطرف کر دی گئی اور دوسری آیات پر جو کہ اس کے برخلاف حکم پیش کرتی ہیں عمل کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ باوجود اس آیت کے مسلمانوں نے جہاں جہاں ان کا زور چلا کبھی مذہبی آزادی نہ دی بلکہ حتے المقدور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو دبایا اور مجبور کیا کہ وہ مجبوراً اسلام قبول کریں۔ اور یہ بھی کوئی پوشیدہ بات نہیں کہ آج تک پکے مسلمان جو کہ مسیحی مذہب کے نیک اثر سے علیحدہ رہے یہ اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں کہ ان لوگوں کو جو مذہب تبدیل کرنے کی جرات کریں جان سے مار ڈالیں۔ خیال کرو کہ یہ انجیل کی تعلیم سے کس قدر مختلف ہے یوحنا ۶:۶۶، ۶۸ میں کیا ہی مفید تعلیم پائی جاتی ہے کہ جبکہ ایک موقع پر سیدنا مسیح کے چند شاگردوں نے اس کی تعلیم کو سخت خیال کر کے اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے یہ الفاظ اپنے بارہ رسولوں کو کہے "کیا تم بھی چلے جاؤ گے" تب ان میں سے ایک نے سب کے بدلے کہا "اے خداوند ہم کس کے پاس جائیں؟ ہمیشہ کی زندگی تو تیرے پاس ہے"۔ اس موقع پر یہ کہدینا بجا ہے کہ اس مذہبی آزادی کو مدنظر رکھ کر ترکی سلطنت نے حال ہی میں اپنے پرانے متعصب خیالات کو چھوڑ کر اعلان کیا ہے کہ رعایا میں سے کوئی شخص جو مذہب وہ بہتر خیال کرے اختیار کر سکتا ہے یہ واقعی ایک اعلیٰ بات ہے جس کو نہ صرف مسلمان ہی قابلِ تعریف سمجھینگے بلکہ جو سنیگا تعریف کریگا۔

چونکہ اب ثابت ہو گیا کہ اسلام کا یہ ملاپ یعنی ملکی اور مذہبی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ملاپ ہے لہذا یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ اپنی ہی ترقی کو بھی روکنے یا اس کو نقصان پہنچانے کا سبب ہو۔ یہ تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جونہی محمد صاحب نے ملکوں کے فتح کرنیکا ارادہ کیا اس کے پیرو بڑھنے لگے اور جب اس نے لوٹ کے مال سے ان کو مالدار کیا تو اور بہت سے عربی فرقوں نے اپنے قاصد بھیجے اور محمد صاحب کے ساتھ فرمانبرداری کی شراکت کے خواہاں ہوئے۔ اس طرح اسلام بڑھتا رہا اور پہلے خلفا کے عہد میں جبکہ بہت سے ملک فتح ہوئے یہ بہت پھیل گیا اور ان کے بعد بادشاہوں اور حاکموں کے ذریعے جو زبردست اور طاقتور تھے اس کی اشاعت ملک بملک بڑھتی گئی۔ یہ ایک طبعی بات ہے کیونکہ اس لئے کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہ تھا بلکہ ملکی طاقت لہذا یہ دنیاوی سلطنت زور پکڑتی گئی اور بہتوں نے اس ترقی کو اسلام کی مذہبی صداقت کے ثابت کرنے

کے لئے پیش کیا۔ فرض کرو کہ اسلام اعلیٰ اور آخری اور خدا کی بادشاہت کے مکاشفہ کا سب سے بہتر مذہب ہے جو کہ اب تک دنیا کے لئے نازل کیا گیا اور کہ اس میں روحانی زندگی کا اعلیٰ معیار اور ملکی حکومت کا اعلیٰ نمونہ پایا جاتا ہے تو یہ لازمی نتیجہ پیدا ہوگا کہ اس میں بحیثیت مذہب سچائی کی سب سے اعلیٰ تعلیم اور بحیثیت حکومت سب سے زیادہ ملکی فتوحات دنیاوی طاقت اور خوشحالی پائی جائے۔ لہذا جب تک مسلمانوں کی حکومت میں اپنی فتوحات اور طاقت سے گردونواح کے ملکوں کو لوٹ کر اپنے آپ کو مالا مال کیا تو ہر ایک مسلمان نے اپنے مذہب کی صداقت کے ثبوت میں ان فتوحات کو کافی سمجھا۔ لیکن اگر ہم اس دلیل کو اس صورت میں مان لیں تو کیا اس دلیل کی دوسری صورت کو ہم نہ تسلیم کریں؟ کیونکہ اگر کوئی مسلمان مذہب اسلام کی پہلی فتوحات پر نظر رکھ کر اس طور سے دلیل کرے کہ ہمارا مذہب ضرور خدا کی طرف سے ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری حکومت جو کہ مذہب کا ایک خاص حصہ ہے دنیا کی اور سب حکومتوں سے فتحمند ہے تو کیا وہ اسی دلیل کو اس کی دوسری صورت میں قبول کرنے کو تیار ہوگا؟ یعنی کیا وہ یہ مانیگا کہ چونکہ ہماری حکومت جو کہ مذہب کا ایک خاص حصہ ہے اب زائل ہوتی جاتی اور کہ بہت سے ہمارے ملک مسیحیوں کے قبضہ میں آتے جاتے ہیں اور کہ تین کروڑ سے زیادہ مسلمان مسیحی سلطنتوں کے باجگذار ہیں اور کہ ترکی سلطنت نے بھی اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لئے مناسب سمجھا کہ مذہب اسلام کے اصول کے برخلاف چند ایسی ضرور اصلاحیں کرے جن کے بغیر سلطنت کا قائم رہنا دشوار ہوگا کیا ان سب باتوں کو دیکھ کر ایک مسلمان ماننے کے لئے تیار ہوگا کہ چونکہ ملکی حکومت دن بدن کمزور ہوتی جاتی ہے لہذا مذہب اسلام بھی اپنی طاقت اور اثر میں کم ہوتا جاتا ہے؟ چونکہ اسلام میں مذہب اور حکومت ملادئے گئے ہیں لہذا ہر ایک سمجھدار مسلمان کے سامنے ایسی ایسی دلائل ضرور پیش آئینگی کیونکہ جب جب ان باتوں پر خیال کا جائیگا فوراً یہ عرب کے پیغمبر کے مذہبی اصول کے خلاف نتائج پیش کریگی خصوصاً ان جگہوں کو مدنظر رکھ کر جو کہ اب مسلمانوں کی حکومت سے نکل کر مسیحی یا غیر مسیحی لوگوں کے ہاتھ آئیں مندرجہ ذیل نتائج ہر ایک مسلمان کی عقل سلیم کے سامنے پیش آئینگے کہ اصولاً اسلام شروع ہی سے بجائے ایک خالص مذہب ہونے کے ایک ملکی حکومت رہا ہے یا یوں کہیں کہ اس میں دینی و دنیاوی معاملات اس طرح سے ملادئے گویا ایک ہوگئے اور کہ اب ایک کا تنزل پذیر ہونا دوسرے کو بھی گھٹاتا ہے۔ برعکس اس کے مسیحی مذہب یہ صریحاً جتلاتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ایک دنیاوی بادشاہت قائم کرے بلکہ یہ ہے کہ انسان کو گناہ اور شیطان کی ہلاک کرنیوالی طاقت سے بچا کر اس کو پھر خدا کی رفاقت میں پہنچادے۔ لیکن باوجود اس کے کہ اسلام ایک ملکی حکومت ہوگئی جس نے دنیا کی قوموں کو اپنے ماتحت کرنا چاہا اور باوجود اس کے کہ مسیحی مذہب فقط ایک مذہب تھا اور تین سو برس تک سخت سے سخت مظالم اٹھا کر بغیر دنیاوی مدد کے بڑھتا رہا خدا نے اپنی عقل اور دانائی کے بموجب مسلمانوں کی قومیں کو گھٹایا اور ان قوموں کو جو مسیحی مذہب کی پیرو ہوئیں اس طور سے برکت دی اور ان میں ایسی ایسی عجیب خوشحالی پیدا کی کہ اب بہت سے ممالک مسیحی مذہب کے پیرو ہیں یعنی انگلستان امریکہ فرانس جرمنی آسٹریا اٹلی اور روس جن میں سے ہر ایک عثمانی سلطنت سے جو کہ تمام موجودہ مسلمانوں کی حکومتوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور طاقتور خیال کی جاتی ہے زیادہ مہذب زیادہ تعلیم یافتہ اور طاقت اور قوت میں بھی زیادہ ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہوگا کہ اسلام بحیثیت مذہبی اور ملکی بھی بالمقابل مسیحی مذہب کے نہ صرف اسلامی اقوام ہی میں کمزور رہا بلکہ دنیا کی اور قوموں میں بھی خاطر خواہ نہ پھیل سکا اب ہم ایک اور طرف ناظرین کی توجہ کو لگانا چاہتے ہیں جس سے اس کی کمزوری اور بھی زیادہ روشن ہوجائیگی۔ انجیل میں خدا کی بادشاہت ایک سچے زندہ اور روحانی مذہب کی صورت میں کل بنی آدم کے لئے پیش کی گئی ہے جو کسی قوم کے لئے کوئی خاص رکاوٹ نہیں رکھتی۔ لیکن جو کچھ قرآن خدا کی بادشاہت کے بارے میں ایک اعلیٰ طور پر پیش کرتا ہے وہ ایک خاص قومی رنگت میں رنگا ہوا اور ظاہری رسومات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے جس سے اس کی ترقی نہ صرف رک جاتی ہے بلکہ اس کو تمام دنیا میں پھیلنے سے روکتی ہے ہم نے پہلے بتادیا ہے کہ ان

ظاہر ارسومات کی وجہ سے یہ تمام قوموں میں نہیں پھیل سکتا کیونکہ دوسری قوموں کی عادات اور رسومات میں فرق ہے۔اب ہم دو باتوں کو واضح طور سے بیان کرینگے یعنی عربی زبان کا جہاں لوگوں کا مذہب اسلام ہوا جاری کرنا اور دوسرے مکہ اور مدینہ کا حج ایک مذہبی فرض ٹھہرانا۔

مکہ کے حج پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ دستور اہلِ عرب میں قومی رسم کے طور پر محمد صاحب کے آنے کے کئی سو سال پہلے سے مانا جاتا تھا۔ مختلف فرقے جبکہ بت پرست ہی تھے سال میں ایک دفعہ مکہ کی عبادت گاہ میں جمع ہوتے اور اس عرصہ میں وہ اپنے سارے ذاتی لڑائی جھگڑوں کو برطرف کر کے آپس میں بھائیوں کی طرح ایک قوم کے ملتے تھے۔ یہ قومی نقطہ خیال سے اچھی بات تھی کیونکہ بد قوموں کے لئے جو جگہ بجگہ پھرتے تھے یہ ایک بڑی خود انکاری کا باعث ہوتی اور ان کو ایک دوسرے سے ملاتی تھی۔ پر جب یہ دستور محمد صاحب نے بھی اختیار کیا اور اس کو کلُ قوموں کے لئے فرض ٹھہرایا تو اس کے ذریعے سے دو بڑے نقصان پیدا ہوئے اول یہ سب مان لینگے کہ اگرچہ اس دستور پر عمل کرنا اہل عرب کے لئے مشکل نہ تھا کیونکہ ان کے پاس اونٹ اور گھوڑے بکثرت پائے جاتے تھے پر چونکہ اب مسلمان ترکی فارس افغانستان ہندوستان الجیریا، مراکو اور افریقہ کے دور دراز ملکوں میں پائے جاتے ہیں لہذا یہ ان کے لئے خصوصاً غریبوں کے لئے نہایت مشکل ہو گیا کہ وقت اور روپیہ کو صرف کر کے اس دور دراز حج کو کریں اور اس طرح اگر اسلام دنیا کی اور بھی دور جگہوں میں پھیل جائے تو ان باشندوں کے لئے یہ غیر ممکن ہوگا کہ وہاں سے آکر اس فرض کو ادا کریں اور اس کے اجر سے فیضاب ہوں۔ اب اس مذہب کے کل بنی آدم کے لئے ہونے کے لئے کونسی دانائی اور بہتری خیال کی جائیگی جبکہ اس کے پیروؤں میں سے بہت سے اس فرض کے ادا کرنے میں قاصر ہونگے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کا حج کرنا چونکہ فرض ٹھہرایا گیا لہذا یہ شہر گویا مسلمانوں کے لئے مرکز قرار دئے گئے جس جگہ جا کر وہ زیارت کریں اور اس کے اثر سے موثر ہوں یعنی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ مذہب اسلام میں جہاں تک عرب کے طور اور طریقے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسکے قائم رکھنے میں کوئی نقصان پیدا نہ ہوتا اگر مذہب صرف عربی فرقوں کے لئے ہوتا پر چونکہ یہ دنیا کی اور سب قوموں کے لئے بھی پیش کیا جاتا ہے لہذا خاص عربی طور و طریق کا قائم رکھنا دوسری قوموں کے لئے مشکلات پیدا کرتا ہے کیونکہ جبکہ عربی قوم کو اتنی بڑی بزرگی دی لہذا دوسری قوموں کو ان کی نظر میں ہیچ اور ناچیز جانا۔ یہ بیان موجودہ حالت پر غور کرنے سے صاف ہو جائیگا۔ اہل عرب کو آج کل خود مختاری حاصل نہیں بلکہ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ہے پر چونکہ وہ مسلمان ہیں لہذا ان سے طلب کیا جاتا ہے کہ وہ عرب کے دور دراز ملک کا سفر کریں او راپنے دارالخلافہ استنبول کو چھوڑ کر مکہ و مدینہ کو زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھیں کیونکہ مذہبی رو سے یہ خدا کی نظر میں زیادہ پسندیدہ ہیں۔ کیا ایسے کرنے سے ایک قوم کو دوسری قوم پر بے جا بڑائی نہیں حاصل ہوتی؟ خیال کرو کہ مسیحی مذہب اس سے کیسا مختلف ہے اس کی رو سے کسی شہر یا ملک کی زیارت درکار نہیں بلکہ ہر ایک شہر یا ملک اپنی اپنی جگہ بلحاظ مذہب کی باطنی پاکیزگی اور روحانیت کے اچھا ہے۔

دوسری وجہ جس کی رو سے اسلام قومی رنگ ڈھنگ کو علیحدہ نہیں کر سکتا اور کلُ دنیا کے لئے مقبولِ عام نہیں قرار دیا جاتا اس کا عربی زبان پر زور دینا ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے آؤ ہم مسلمان اقوام کی زبانوں پر غور کریں مثلاً ترکی فارسی اور اردو جن سب میں کچھ نہ کچھ عربی الفاظ شامل ہیں۔ پر اسلام کی سب سے بڑی زبردستی اس بات میں ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کو خواہ وہ کسی قوم یا ملک کے ہوں قرآن کو صرف عربی ہی زبان میں پڑھنے پر مجبور کر رہا ہے بجائے اس کے کہ وہ اپنی اپنی زبانوں میں سہولیت سے اس کو پڑھیں اور سمجھیں یہ زبردستی بے جا طور سے عربی زبان کو بزرگی دیتی اور اسکو ایک خاص طور سے پاکیزہ شمار کرتی اور اس کے مقابلہ میں دوسری زبانوں کو حقیر سمجھتی اور کم و بیش ناپاک، لہذا جہاں جہاں محمدی مذہب پھیلا وہاں علم الٰہیات کو حاصل کرنے اور عبادت و پرستش کرنے کے لئے عربی زبان لازم ٹھہری اور کوئی سچا پیرو شمار نہیں کیا جاتا جو کم از کم عام دعاؤں کو عربی زبان میں جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکے۔ اور کوئی اپنے مذہب کی بابت جان بھی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس کو عربی زبان میں نہ پڑھے۔ اب یہ روشن ہے کہ

کم از کم زبان کے لحاظ سے اسلام فقط ایک قومی رنگت یعنی اہل عرب کی رنگت رکھتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں جہاں اسلام کی اشاعت ہو وہاں عربی زبان بھی سکھائی جائے۔ کیا یہ مذہب کی اشاعت میں ایک بڑی سدِ راہ نہ ہو گی؟ اور کیا اس کی وجہ سے اسلام بجائے اس کے کل دُنیا کا مذہب مانا جائے ایک قومی مذہب نہ ٹھہرا؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ دنیا کی موجودہ قومیں جو کہ اب خدا سے انگریزی جرمنی فرانسیسی اور روسی زبان میں دعا مانگتی ہیں وہ عربی زبان کو سیکھنے کی رضامند ہوں جبکہ وہ اس زبان میں اپنی دعا ایک بالکل نامکمل طور سے خدا کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو نگی؟ یہ ہر ایک قوم جس نے عرب کا مذہب اختیار کیا ہے جان سکتی ہے کہ غیر ملک کی زبان کا سیکھنا اور اس کو عبادت اور پرستش کے لئے استعمال کرنا بجائے ترقی کے تنزلی کا باعث ہو گا۔ مثال کی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہزاروں عثمانی سلطنت میں مسلمان ہونگے جو ان دعاؤں کو بغیر سمجھے پڑھتے ہونگے اور قرآن کی سورتوں کو بغیر مطلب جانے سنتے ہونگے اور ہزاروں ایسے ہونگے جو ان کو صرف تھوڑا سمجھتے ہیں اور جو کہ بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے اگر ان ہی دعاؤں کو اپنی ترکی زبان میں پڑھتے کوئی آدمی اس میں شک نہ کریگا کہ سب سے فائدہ مند اور طبعی دعا مانگنے کا اور کلام پڑھنے کا طریقہ اپنی زبان میں مانگنا اور پڑھنا ہے بہ نسبت اس زبان کے ذریعہ سے جس کو صرف تھوڑے سمجھیں اور بہت سے بالکل نہ سمجھیں اور یہ بھی ہر ایک فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس طریقہ سے مذہب بلحاظ زبان کلُ دنیا کے لئے ہو سکتا ہے۔ کیا مسیحی مذہب ہو سکتا ہے جس کی کتاب یعنی انجیل ہر ایک زبان میں ترجمہ ہو کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچائی جاتی ہے؟ یا قرآن جو صرف عربوں ہی کی زبان میں پیش کیا جاتا ہے؟ کونسا مذہب اس صورت میں خدا کی مرضی اور دانائی کے مطابق ہو سکتا ہے؟ کیا انجیل کا مذہب جو کہ ہر ایک قوم کو اس کی زبان میں پہنچایا جاتا ہے یا عربی قرآن کا جو کہ بہت سالوں کی محنت کے بغیر عرب کے باہر سمجھا نہیں جا سکتا؟ کیا کوئی یہ قیاس کر سکتا ہے کہ کلُ دنیا (کل دنیا کیوں صرف یورپ ہی کو لے لو) ایک وقت اس قدر عربی زبان میں مہارت پیدا کر لیگی کہ سب دعائیں اسی زبان میں مانگ سکے اور خدا کا کلام بھی اسی زبان میں پڑھ سکے؟ کبھی کوئی غیر آدمی یا مسلمان جو کہ دنیا کے حالات سے واقف ہے یہ خیال کریگا شاید ہی اس کو کوئی یقین کرے پر اگر کوئی کرے تو وہ آدمی وہی ہو گا جو کہ عربی زبان کو آسمانی زبان خیال کرے۔ جب اس طرح اسلام کو ایک قومی مذہب کے پیرائے میں اور مسیحی مذہب کو ایک مقبول عام روحانی مذہب کے پیرائے میں کوئی مقابلہ کرے تو وہ بلاشبہ اس نتیجہ پر آئیگا کہ اسلام بجائے اعلیٰ اور بہتر مذہب ہونے کے اس بلند روحانی اور مقبولِ عام مذہب کے مقابلہ میں کہیں کمتر اور کم اثر ہے۔

(۴) بدلہ لینے کے بارے میں

ہم پہلے ذکر آئے ہیں کہ انجیل محبت صبر اور بردُباری کی تعلیم میں بمقابل موسوی شریعت کے بہت سے اعلیٰ اور بہتر ہے۔ اس تعلیم سے بڑھ کر تعلیم روحانیت اور سچائی میں ہم خیال بھی نہیں کر سکتے پر یہ دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ اسلام بجائے اس کے کہ مسیحی مذہب سے اعلیٰ روحانی تعلیم پیش کرتا ہے وہ پھر اسی پرانی تعلیم کو جو کہ موسوی شریعت کے ذریعے سے دی گئی اور جس کو یہودیوں نے اچھی طرح نہ سمجھا بڑے زور شور سے پیش کرتا ہے۔ محمد صاحب نے جو بدلہ لینے کی تعلیم دی وہ قرآن کے ان الفاظ سے ظاہر ہے "وہ جو کہ ظلم سے قتل کیا جائے اس کے وارثوں کو ہم نے غلبہ دیدیا پھر وہ قتل کرنے میں زیادتی نہ کریں کیونکہ ان سے بھی پھر بدلہ لیا جائیگا" سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۵ اور پھر یوں آیا ہے "اے ایماندارو تمہارے لئے مقتولوں کا قصاص لینے کا حکم لکھا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت پس جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے وہ دستور کا پابند ہو کر احسان کو مانتے ہوئے اس کو ادا کرنے" سورہ بقر آیت ۱۷۳۔ یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ قرآن نے توریت کی مانند اس برائی کو روکنے کی کوئی بہت کوشش نہیں کی۔ بہت سے مسلمان فرقے قرآن کی رو سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو مقتول کا بدلہ لینے کا حق ہے چاہے وہ

قاتل کے خاندان اور قبیلہ میں سے کسی کا مار دیں لہذا وہ مذہب کی آڑ میں بے گناہ کو مجرم کے بدلے مارتے ہیں۔ بدلہ لینے کے ایسے اصولکے بر خلاف توریت میں صاف صاف آیا ہے " باپ بچوں کے بدلے مارا نہ جائے اور نہ بچے باپ کے بدلے۔ ہر ایک آدمی اپنے ہی گناہ کے لئے مارا جائے "استثنا ۲۴: ۱۶۔ خون کے بدلے کے علاوہ قرآن میں ذاتی نقصان کے عوض میں بھی بدلہ لینا جائز ٹھہرایا ہے۔

"اور جس نے اسی قدر بدلہ لیا جتنی اس کو تکلیف دی تو اللہ ضرور مدد کریگا" سورہ حج آیت ۵۹۔ ایسی تعلیم ایک سخت بدلہ لینے کی طبعیت لوگوں کے دلوں میں پیدا کریگی جو کہ انجیل کی بُردباری صبر اور حلیمی کے تعلیم کے سراسر خلاف ہوگی فرائض منصبی کو ادا کرنے کے لئے انجیل کی تعلیم محبت کے اصول کو پیش کرتی ہے توریت عدل کو اور قرآن کی تعلیم ایسی ہے کہ اس پر بے انصافی اور ظلم کا الزام عائد ہوتا ہے۔ یہ مسلمان بھی قبول کرتے ہیں کہ کیونکہ سلطنت عثمانیہ جیسی حکومت قرآن کے ان بے رحم احکام پر نہیں چلتی " وہ جو اللہ سے اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ وہ مار ڈالے جائیں یا صلیب پر کھینچے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانب سے کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں" سورہ مائدہ آیت ۳۹ اور پھر ۴۲ آیت میں یوں آیا ہے " چور کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ سزا ہے کہ اس کے ہاتھ چوری کے عوض میں کاٹ ڈالے جائیں۔"

(۵) غلامی کے بارے میں

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ پرانے عہد نامہ کی رو سے غلامی جائز تھی مگر تو بھی غلاموں کی سختیوں کو ہلکا کر دیا تھا اور ان کو قانون کی رو سے بہت کچھ بچایا تھا مسیحی مذہب میں غلام رکھنا جائز قرار دیا گیا اس لئے رفتہ رفتہ اس کے اثر سے غلامی مسیحی ملکوں سے بالکل جاتی رہی۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام بمقابلہ مسیحی مذہب کے غلاموں کے حق میں زیادہ بہتر اور اعلیٰ پیش کرتا ہے؟ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ہر گز نہیں ثابت ہوئی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک محمدی ملک میں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی ہے مسلمان غیر مسلمانوں کو بلکہ بعض دفعہ مسلمانوں ہی کو خریدتے یا بیچتے ہیں خصوصاً حبشیوں کو تو جانوروں کی طرح مول لیتے ہیں۔ کہیں کسی جگہ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لئے نرمی یا فراخ حوصلگی اس قدر نہیں دکھائی کہ جس سے ان کی حالت بہتر ہو جائے۔ برعکس اس کے یورپ کی مسیحی سلطنتوں میں کہیں ایسی غلامی پائی نہیں جاتی اور کہیں انسان وحشیوں کی طرح خریدا یا بیچا نہیں جاتا۔ انگلستان کی بڑی سلطنت میں جو کہ کل آبادی کا ۱/۵ حصہ ہے یہ قانون ہے کہ جو کوئی غلام اس سلطنت کی کسی جگہ اپنا پاؤں دھرے وہ اس گھڑی سے آزاد شخص کیا جائیگا۔ دیکھو غلامی کے بارے میں اسلام اور مسیحی مذہب میں کتنا بڑا فرق ہے اور یہ فرق اس تعلیم کے لحاظ سے ہے کہ ان دونوں مذاہب میں انسان کے باہمی تعلقات میں پائی جاتی ہے گو قرآن میں ایسے حوالجات پائے جاتے ہیں جیسے کہ پرانے عہد نامہ میں جن میں غلاموں کے حق میں نرمی کو اختیار کرنا پیش کیا گیا ہے مگر تو بھی قرآن کی تعلیم میں دو ایک ایسی باتیں ہیں جن کی رو سے یہ نرمی بمقابلہ توریت کی تعلیم کے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ قرآن میں غلام عورتوں کے حقوق پر کچھ نہیں کہا گیا بلکہ ان کو سراسر مالکوں کے اختیار میں چھوڑ دیا جبکہ توریت میں آدمی اور عورت دونوں کا حق برابر رکھا گیا ہے۔ یہ سوائے اس کے ظلم ہو اور کیا ہو سکتا ہے کیونکہ عورتوں کی پاکیزگی کا جو ایک نہایت اعلیٰ خوبی ہے کچھ لحاظ نہیں رکھا گیا۔ قرآن کی اس آیت سے اس امر کی صداقت ظاہر ہوگی "ایمانداروں کو پرہیزگار ہونا چاہیے بجز اپنی بیویوں کے اور اپنے ہاتھ کے مال کے (لونڈیوں کے) کیونکہ ان کے لحاظ سے ان پر کچھ ملامت نہیں" سورۃ المعارج آیات ۲۹، ۳۰ اور پھر غور کرو "تم پر حرام ہیں حرمت والی بیویاں مگر ہاں تمہارے ہاتھ کی ملک ہو جائیں" سورہ النسا آیت ۲۸۔ اسی طرح سے اور حوالجات دئے جا سکتے ہیں پر یہ کافی طور سے ظاہر کرتے ہیں کہ عورتوں کا خصوصاً غلام عورتوں کا کیا درجہ تھا۔ مگر

توریت میں یہ آیا ہے کہ ہر ایک غلام اپنے آقا کی چھ سال تک خدمت کرے اور ساتویں سال آزاد کیا جائے خروج ۲۱: ۲ اور جو آقا اپنے غلام کو جان سے مارے وہ سزا پائے خروج ۲۱: ۲۶، ۲۷۔ پر قرآن میں ایسی تعلیم کہیں نہیں ملتی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آقا اپنے غلاموں سے مسلمان ملکوں میں جو چاہیں بد سلوکی کر سکتے ہیں جس کے لئے توریت کی رو سے وہ کبھی سزا سے بچ نہ سکتے تھے۔ لہذا یہ صاف صاف ثابت ہو گیا کہ غلام توریت کی رو سے بمقابلہ قرآن کے زیادہ محفوظ اور بہتر حالت میں ہیں۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ غلامی ہر ایک مسلمان ملک میں جائز ہے اور کسی مسلمان ملک سے یہ ابھی تک خارج نہیں کی گئی۔ بر خلاف اس کے کہ یورپ کے تمام مسیحی ملکوں میں غلامی کا صرف نام ہی باقی رہ گیا اور ہر ایک انسان آزاد ہے۔ انگلستان نے تو یہاں تک کیا کہ اس نے ان تمام غلاموں کو جو اسکی سلطنت کے نیچے آئے بالکل آزاد کر دیا اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کو اس بری حالت سے رہائی دی پس اب یہ ہر ایک فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسلام غلاموں اور غلامی کی رو سے بجائے اس کے کہ مسیحی مذہب سے زیادہ انصاف پسند۔ مہربان اور بہتر ہوتا اس سے کہیں گرا ہوا ہے بلکہ موسوی شریعت سے بھی گیا گزرا ثابت ہوتا ہے۔

(۶) کثرتِ ازدواجی اور طلاق کے بارے میں

یہ آخری بات تھی جس کی رو سے ہم نے نئے اور پرانے عہد نامہ کا مقابلہ کیا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ نئے عہد نامہ کی تعلیم پرانے عہد نامہ سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔ کیونکہ موسوی شریعت میں کثرتِ ازدواجی کی مخالفت نہیں اور طلاق کی اجازت ہے پر بر عکس اس کے سیدنا عیسیٰ مسیح کی انجیل طلاق اور کثرتِ ازدواجی دونوں کے بر خلاف ہے اور عورت کو ان تمام بندشوں سے جو کہ اس کی آزادی میں خلل انداز ہیں چھٹکارا دیتی ہے۔ اب ہم یہاں غور کرینگے کہ آیا اسلام اس لحاظ سے مسیحی مذہب سے بہتر اور اعلیٰ تعلیم پیش کرتا ہے یا کہ اس سے کم۔

کثرت ازدواجی کی قرآن میں نہ صرف مسیحی مذہب سے بڑھ کر ممانعت کی گئی بلکہ موسوی شریعت کی مانند اس کی کسی صورت میں بندش بھی نہیں۔ بمقابل پہلی تعلیم کے اس تعلیم کے لحاظ سے قرآن بالکل پیچھے رہ جاتا ہے کیونکہ کثرت ازدواجی کو جاری رکھنے کے لئے سورہ نساء آیت ۳ میں یوں آیا ہے "اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ ہم یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکینگے تو ان عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی معلوم ہوں نکاح کرو دو دو تین تین چار چار اور اگر تم کو ڈر ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی یا وہ جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہو چکے ہوں" اب جبکہ ہر ایک مسلمان جو چاہے اور جو طاقت رکھتا ہو چار بیویوں سے ایک ہی وقت نکاح کر سکتا ہے اور جتنی لونڈیوں سے چاہے بغیر نکاح کے مباشرت کر سکے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ محمد صاحب کو خود دیکھو کہ انہوں نے اپنے حق میں یہ کہاں تک جائز رکھا؟ ان کی دس سے زیادہ بیویاں تھیں اور سوا لونڈیوں کے اور اسکی منظوری بحیثیتِ نبی قرآن میں یوں آئی ہے "اے نبی بیشک ہم نے تجھکو تیری وہ بیویاں حلال کیں جن کے تو مہر دے چکا اور جو تیرے ہاتھ کا مال ہو (یعنی لونڈیاں) جو اللہ تیری طرف لایا تیرے چچا کی بیٹیاں تیری پھوپھی کی بیٹیاں تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی اور ہر ایماندار عورت جو اپنا نفس نبی کو بخش دے بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ خاص تیرے ہی لئے ہیں نہ اور ایمانداروں کے لئے" سورہ احزاب آیت ۴۹۔ جبکہ قرآن کی تعلیم ایسی اور نبی کا نمونہ ایسا ہو تو تعجب کی کیا بات ہے کہ سب مسلمان ملکوں میں باوجود خانگی مشکلات کے اب تک کثرت ازدواجی پائی جائے؟ اس لئے عورتوں کی غلامی خاص طور سے جائز ہے نہ اس لئے کہ ان کی خدمت کروائی جائے پر صرف شہوت پرستی کے لحاظ سے۔ لیکن یہ حالت نیک اور عادل خدا کی نگاہ میں ہر گز مناسب نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ شادی کی پاکیزگی کو رد کرتی ہے جس کی رو سے عورت کا وہ رشتہ جو خدا نے ٹھہرایا ٹوٹ جاتا ہے یعنی عورت ایک ذی عقل ساتھی اور مددگار نہیں رہتی بلکہ صرف ایک خادمہ کی مانند ہو جاتی ہے جو صرف انسان کی شہورت کو دور

کرے۔ کثرت ازدواجی چونکہ خاوند اور جورو میں یگانگی کو دور کرتی ہے اور خاندانی خوشی کی مٹادیتی ہے لہذا یہ خدا کے اس بڑے ارادے کو توڑ دیتی ہے جو اس نے ایک خاوند ایک جورو کے رشتہ میں رکھا۔ شادی کے عام معنی یہ ہیں کہ خاوند اور جورو میں یگانگی اور ملاپ ہو ایسا کہ وہ خوشی سے زندگی بسر کر سکیں اب اگر آدمی کی کئی بیویاں ہو جو کہ صرف اپنا خاوند سمجھیں اور اس سے وفادار رہیں تو وہ اکیلا آدمی کیونکر ہر ایک کو ایک ہی سمجھ کر پیار کر سکتا ہے جبکہ وہ خود ایک ہی شخص ہے؟ کثرت ازدواجی میں شادی کی اصلی حالت کی یگانگی نہیں ہو سکتی اور خاوند اور جورو ایک دوسرے پر پورے طور سے بھروسا نہیں رکھ سکتے کیونکہ جبکہ ہر ایک بیوی تو خاوند کو پورے طور سے پیار کرے لہذا اس پیار کی رو سے وہ آدمی کسی کا بھی سچا اور حقیقی خاوند نہ ہوا۔ جبکہ خاوند اور جورو میں یہ حال ہو تو کیونکر خاندان میں امن وخوشی ہو سکتی ہے؟ ان لوگوں کا گھر جو کہ کثرت ازدواجی پر عمل کرتے ہیں کبھی ایک جا اور ایک دل ہو کر نہیں رہ سکتا بلکہ اگر رہے بھی تو ان کی حالت ایسی ہو گی جیسے بہت سے اور جدا جدا گھر۔ ہر ایک اپنے بچوں کے ساتھ اپنے ہی ذاتی فائدے کو نگاہ میں رکھیگی وہ دوسری عورتوں سے اپنے خاوند سے بھی جدا خیالات رکھیگی۔ لہذا اس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو کہ عرب کے پیغمبر کے خاندان کا ہوا (مقابلہ کرو سورہ مریم آیت ۵) یعنی جہاں ایک سے زیادہ بیویاں ہو نگی وہاں بے شمار جھگڑے اور جدائیاں ہو نگی۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر یہ تعجب انگیز نہ ہو گا اگر ہم دیکھیں کہ باوجود کثرت ازدواجی کی اجازت کے سوائے ترکی کے چند امیر مسلمانوں کے اور کوئی اس رسم کی پیروی نہیں کرتا خصوصاً غریب تو بالکل نہیں کرتے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کثرت ازدواجی ایک غیر طبعی رسم ہے جو کہ انسان کے لئے ہر گز موزوں نہیں۔ اور اس سے عورت کا مرتبہ بھی گر جاتا ہے کیونکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ ایک عورت شادی کی حالت کے فرائض اور مناصب کو پورا نہیں کر سکتی لہذا آدمی کو اپنے لئے دو یا تین یا چار عورتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اگر مسلمان ملکوں کی عورتیں لکھ پڑھ جائیں تو وہ کبھی اس ذلیل رسم کو گوارا نہ کرینگی۔ لہذا اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اسلام نے کثرتِ ازدواجی کو رائج کرنے سے اپنے آپ کو آسمانی خالق کے اس بڑے قانون سے دور کر دیا جس پر مسیحی چھ سو برس پہلے سے عمل کرتے چلے آئے تھے۔ خالق کا قانون جو اس نے ایک مرد اور ایک عورت کے نکاح کی پاک حالت میں داخل ہونے سے ظاہر کیا وہ موجودہ زمانہ کی سائنس کی تحقیقات سے بخوبی ظاہر ہے کیونکہ کل کرہِ زمین پر آدمیوں اور عورتوں کی پیدائش قریباً قریباً اوسط حالت پر ہے۔ لہذا محمد صاحب کا کثرتِ ازدواجی کا قانون کسی ایسی حالت پر مبنی نہ ٹھہرا جو خدا نے اپنی خلقت میں پیدا کی ہو بلکہ برعکس اس کے اس کی تعلیم اور اس کا نمونہ طبعی اور خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ ان باتوں سے یہ ظاہر ہوا کہ جبکہ ایک مسلمان دو یا تین یا چار سے نکاح کرتا ہے تو کئی اور مسلمان ضرور ہو نگے جو عورتوں کے نہ ہونے سے شادی نہیں کر سکتے۔ شاید مسلمان یہ کہیں کہ اس حاجت کو پورا کرنے کے لئے خدا نے مسلمانوں کو فاتح کیا اور، اور قوموں کو مغلوب کر کے ان کی عورتوں سے شادی بیاہ کیا پر یہ ہر گز نہیں ہو سکتا کہ خدا نے مسلمانوں کو اس لئے فتح بخشی تا کہ وہ اور ملکوں کے مردوں کو قتل کر کے اپنی حرم سرائیں ان کی عورتوں اور بیٹیوں سے بھریں گزشتہ زمانہ میں یہ بہت دفعہ ہوا کہ مسلمان غیر ملکوں کو فتح کر کے وہاں کی عورتوں کو بیویاں یا لونڈیاں بنانے کے لئے غلام کر کے لے گئے لیکن اب خدا کے احکام اس طور سے بنی آدم میں جاری ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کی فوجیں غریب عورتوں کو فتح کر کے اپنے لئے نہیں لے جا سکتیں یہ تبدیلی جو کہ خدا کی طرف سے ہوئی ظاہر کرتی ہے کہ خدا کی قدرت مسلمانوں کو کثرتِ ازدواجی کی اجازت نہیں دیتی جیسا کہ ان کا مذہب ان کو دیتا ہے۔ لہذا یہ ظاہر ہے کہ خدا کی مرضی اور مسلمانوں کا قانون کثرتِ ازدواجی کے بارے میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

طلاق دینا موسوی شریعت میں جائز رکھا گیا مگر سیدنا مسیح کی انجیل میں اس کی سخت ممانعت ہے پر پھر محمد صاحب کے قرآن نے اس کی اجازت دی۔ سورہ طلاق (۶۵) کا قرآن میں ہونا ہی طلاق کو ظاہر کرتا ہے وہاں ہم یہ پڑھتے ہیں "اے نبی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کی حالت میں طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔۔۔۔ تمہاری بیویوں میں سے جو حیض کے آنے سے ناامید ہو چکی ہوں اگر

تمہیں شبہہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ کی ہے۔اور ایسی ہی جن کو حیض آنے کی نوبت نہ آئی ہو ان کی جو حاملہ ہوں عدت یہ ہے کہ وہ اپنا بچہ جن لیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے (سورہ طلاق آیات ۱، ۴) پھر سورہ بقرہ آیات ۲۲۹، ۲۳۲ میں ہم یوں پڑھتے ہیں "طلاق صرف دو بارہ دینا واجب ہے پھر یا تو عزت سے ان کو رکھنا یا خوش سلوکی سے رخصت کرنا، اور تم پر یہ حلال نہیں کہ اس میں سے جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے کچھ بھی واپس لو جب تک کہ تم دونوں کو اس بات کا خوف نہ ہو کہ تم خدا کی مقررہ حد میں قائم نہیں رہ سکتے اور اگر تم کو خوف ہو کہ وہ خدا کے احکام پر نہیں چل سکتیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ عورت اس کو اپنے بدلے میں دے۔۔۔۔۔۔جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عد کو پہنچ جائیں ان کو نہ روکو کہ اور خاوندوں سے نکاح کریں جو باہم دستور کے موافق اس بات پر راضی ہوں۔اس بات سے اس شخص کو نصیحت ہے جو تم میں اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لایا ہے اور اس میں تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی اور صفائی ہے اللہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے" ہم قرآن سے ایک اور حوالہ پیش کرینگے یعنی سورہ نسا آیت ۲۴ "اگر تمہارا دل چاہے کہ ایک جورو کو دوسری سے بدل لو اور اس کو بہت سامال دے چکے ہو تو پھر اس میں سے کچھ واپس نہ لو" ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ قرآن طلاق کو قانوناً جائز ٹھہراتا ہے اور طلاق دی ہوئی عورت سے پھر شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔آدمی صرف اس بنا پر کہ وہ اپنی بیوی کو جدا کرن کی خواہش رکھتا ہے طلاق دے سکتا ہے اور عورت کے لئے اور کوئی حق نہیں سوائے اس کے کہ وہ مال طلب کرے جو شادی کے موقعہ پر مہر کے طور پر دینے کو ٹھہرایا تھا۔اگر ہم اس طور سے کھلے طور پر طلاق دینے کی رسم کو سیدنا مسیح کی ممانعت سے مقابلہ کریں جب اس نے متی ۱۹: ۶ میں فرمایا کہ جس کو خدا نے ملایا آدمی جدا نہ کرے" تو یہ صاف ہو جاتا ہے کہ آیا قرآن عرب کے پیغمبر کی تعلیم کے ذریعے سے جو طلاق کے بارے میں مسیح کی تعلیم کے بر خلاف ہے انجیل سے بہتر اور اعلیٰ مکاشفہ پیش کرتا ہے یا نہیں۔کیا یہ بات سچ نہیں کہ جب خدا نے آدم اور حوا کو پیدا کیا تو انہیں ایک پاک شراکت میں جوڑا؟ کیا اس نے وقت کوئی اشارہ دیا جس سے یہ سمجھا جائے کہ آدمی جب چاہے اس پاک شراکت کو توڑ دے؟ پھر کیا سیدنا مسیح نے جو کہ قریباً ۴۰۰۰ برس کے بعد آیا اور جس کو ہر ایک مسلمان خدا کا نبی مانتا ہے صریحاً یہ منع نہیں کیا کہ کوئی شادی کے جوڑے کو نہ توڑے؟ اب اگر ۶۹۰ سال کے بعد ایک اور قانون جاری کیا جائے جس کی رو سے ہر ایک شادی شدہ آدمی کو پوری اجازت ہو کہ جب چاہے اپنی بیوی کو طلاق دے جیسا کہ مسلمانوں کی تواریخ سے ظاہر ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی آدمی نے ۲۰ یا ۳۰ طلاق دئے اور دوسری شادیاں کیں تو کیا اس قانون کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک نہیں ہوتا؟ کیا اس سے لا تبدیل خدا کی دانائی اور عقل پر دھبہ نہیں لگتا؟

یہ بات بخوبی روشن ہے کہ چونکہ قانوناً طلاق اس قدر کھلم کھلا روا ہے اور چونکہ یہ آسانی سے دی جا سکتی ہے لہذا مسلمانوں کے درمیان اس کا رواج کثرتِ ازدواجی سے بھی زیادہ ہے۔اور جو خرابیاں اس سے ظاہر ہوتی ہیں ان سے مسلمانوں کی قوم کو بڑا سخت نقصان پہنچتا ہے۔ہر ایک آدمی جو مسلمانوں کے ملک میں رہا ہو جانتا ہے کہ طلاق سے کس قدر بے رحمی اور سخت تکلیف عورتوں پر ہوتی ہے۔آؤ ہم ایک مثال پر غور کریں۔میرے ہمسایہ میں ایک مسلمان رہتا ہے جو کہ تیس سال سے ایک عورت سے بیاہا ہوا تھا اور اس کے دو بڑے بڑے بیٹے تھے تھوڑے عرصے کے بعد وہ ایک جوان عورت سے شادی کرنے کے ارادے سے اس کو بُری نظر سے دیکھنے لگا اور اسے حقیر خیال کیا آخر کار اس نے اس کو طلاق دیدی اور ایک جوان عورت سے جو اس کے بڑے بیٹے سے کم سن تھی نکاح کیا۔چونکہ یہ آدمی سرکاری ملازمت میں تھا اور معقول آمدنی تھی اس کی بیوی آرام سے رہتی تھی پر جب طلاق کے بعد اس کو صرف تھوڑا سا روپیہ گذران کے لئے ملنے لگا اور وہ اپنے بڑھاپے کے سبب کوئی اور خاوند نہ کر سکی اور نہ کوئی کام اٹھا سکی تو وہ روپیہ جلد ختم ہو گیا اور کسی نے اس کی مدد نہ کی لہذا وہ نہایت تنگ حال ہو گئی اور بعض دفعہ کئی دن فاقوں میں گذرے ایسے ایسے حالات سے کون واقف نہیں؟ ہر جگہ جہاں جہاں مسلمان ہیں صدہا ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلاق یافتہ عورتیں گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور بازاری عورتوں میں جا ملتی

ہیں تاکہ اپنے کو بھوک کی ہلاکت سے بچائیں اور آدمی اس آزادی سے اپنی شہوت کو پورا کرنے کے لئے بے انتہا خراب ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ مجھے ایک ترک کی بابت جو کہ پچاس سال کا تھا بتلایا گیا کہ اس نے ستر ۷۰ عورتوں کو طلاق دی اور اب دو اور جوان عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگر اوسط لگائی جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر اس نے پہلی شادی بیسویں برس کی تو اوسطاً دو عورتوں کو ہر سال اس نے طلاق دی خیال کیجئے کہ اس محمدی قانون نے کہاتک خرابی پیدا کی۔ کیا ایسی خرابیاں پاک خدا کی نگاہ میں اور ہر ایک سچے اور پاکیزہ انسان کی نظر میں گناہ اور زناکاری نہ خیال کی جائینگی۔

اسلام کے اس قانون کے رو سے علاوہ عورتوں کی سخت تکالیف اور مصائب کے اور آدمیوں کی حرامکاری اور شہوت پرستی کے کل محمدی جماعت کا نہایت سخت نقصان ہوتا ہے۔ ہر ایک مسلمان جب شادی کرنے لگتا ہے جانتا ہے کہ وہ جب چاہے اس عورت کو چھوڑ سکتا ہے۔ اس کو کوئی خوف اور خدشہ نہیں سوائے اس کے کہ کچھ روپیہ جو شادی کے موقعہ پر ٹھہرایا گیا تھا بطور پرورش کے عورت کو دے۔ اور یہ ہر ایک مسلمان عورت بھی جانتی ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کو خوش نہ کر سکیگی یا جب اس کا شوہر کسی اور سے راضی ہو جائیگا تو اس آدمی کو اختیار ہے کہ اس عورت کو چھوڑ کر کسی اور سے نکاح کرالے۔ جب یہ بات دونوں مرد اور عورت جانتے ہیں تو بھلا شادی کی وہ پاک اور خوشنما حالت جو مسیحی مذہب کے ذریعے پیش کی جاتی ہے کب پیدا ہو سکتی ہے؟ ہاں مسلمانوں کے لئے تو شادی ایک تھوڑے عرصے کے لئے ہے اس کی اخلاقی بندش کوئی بڑی بندش نہیں پر اگر کوئی بندش ہے تو وہ صرف اپنی خوشی کو پورا کرنا ہے۔ کیا اس سے طرح طرح کی برائیاں پیدا نہ ہونگی؟ یہ ہر حالت میں خاندان کے اس بڑے قانون کو توڑ دے گی جس کی رو سے خاوند اور بیوی اپنے گھر کے سردار خیال کئے جاتے ہیں کیونکہ بیوی کو شروع ہی سے ڈر رہیگا کہ شاید اس کا خاوند اس سے کسی حالت میں ناخوش ہو کر طلاق دیدے لہذا بجائے اس کے کہ خاندان کی بہبودی کو مد نظر رکھے وہ اپنے آئندہ کے آرام کا خیال رکھیگی۔ تاکہ اگر وہ کسی وقت طلاق کے ذریعے سے چھوڑ دی جائے تو کچھ نہ کچھ سرمایہ اور پونجی اس کے پاس ہو۔ اسی طرح سے خاوند چونکہ اپنی بیوی پر پورا بھروسہ نہیں رکھ سکتا یہ جان کر کہ جب وہ عورت کو چھوڑ دیگا تو اسکے بھید ظاہر ہو جائینگے لہذا وہ بھی خاندانی پوری خوشی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اکثر مسلمانوں سے سنا جاتا ہے کہ خاندان کی ناکامیابی زیادہ تر بیوی کے سبب سے ہوتی ہے کیونکہ بجائے اس کے کہ وہ خاوند کی باتوں کی تائید کرے اور اس کے مطابق چلے وہ ہمیشہ روپیہ پیسہ پر نگاہ رکھتی اور جتنا ہو سکے خاوند کی آمدنی میں سے اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے حاصل کرتی ہے۔ جہاں خاندان کی یہ حالت ہو یقین جانو وہاں گھر بار کی خوشحالی نابود ہو جاتی ہے۔

یہ رسم اور قانون بچوں کی بہبودی پر بھی گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ بسا اوقات ماں بچوں کو اپنی راغب کرنے کے لئے تاکہ وہ طلاق کی حالت میں بھی اس کے ساتھ رہیں زیادہ آسائش میں رکھتی ہے اور باپ بھی بچوں کی ماں کو طلاق دے کر ایک سخت غلطی اور ظلم ان پر کرتا ہے کیونکہ اب چونکہ باپ نہ صرف اس سے بے پرواہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کا ایک طرح کا دشمن اور چونکہ وہ گھر نہیں آسکتی لہذا بچے ماں سے جدا ہو جاتے ہیں گویا وہ مر گئی ہے۔ شاید کبھی نہ کبھی اس سے مل سکیں مگر یہ باپ کو منظور نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ وہ منع کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی ماں سے بالکل دور کئے جاتے ہیں۔ پس طلاق کی رو سے وہ محبت اور پیار جو قدرتی طور سے ہر ایک کے دل میں خدا نے پیدا کیا ہے یک لخت بچوں کے دل سے مٹایا جاتا ہے اور اس کے دور ہونے سے جس قدر صدمہ اور نقصان طرفین کو پہنچتا ہے ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔

طلاق کو اس کھلے طور سے رائج کرنے سے شادی شدہ شخصوں میں حسد پیدا ہوتا ہے اور طبعی میل ملاپ میں ایسی اخلاقی مشکلات پیدا ہوتی ہیں جن سے قوم کی مجلسی حالت جیسا کہ مسیحی ملکوں میں ہے قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ مسیحیوں میں تو یہ یقین ہوتا ہے کہ جب تک زناکاری یا حرامکاری کا گناہ سرزد نہ ہو تب تک طلاق دینا ناممکن ہے لہذا ان میں ایک قسم کی تسلی اور سلامتی پائی جاتی ہے اور برعکس اس کے مسلمانوں میں خصوصاً عورت کی طرف

سے طرح طرح کے حسد آمیز شکوک پیدا ہوتے ہیں کیونکہ اس کو ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں کسی حرکت سے اس کا خاوند اس کو نہ چھوڑ دے یا شاید کسی بے پروائی کی وجہ سے وہ رد نہ کر دی جائے۔ جب یہ حالت شادی شدہ حالت میں ہو تو کیسے خوشحال زندگی ہو سکتی ہے؟ مسیحیوں میں نہ تو کوئی دوسری بیوی رکھ سکتا ہے اور نہ ہی ایک کو دوسری سے بدل سکتا ہے جیسے کہ مسلمانوں میں ہے لہذا مرد و زن کا عام مسیحی رشتہ ایک پاک و مقدس رشتہ ہے جو بمنزلہ بھائی اور بہن کے ہوتا ہے اس طریق سے وہ عورتوں کی مجلس میں شریک ہو کر ان کی ہمدردی مہربانہ برتاؤ نیک مزاجی اور آزادی سے فیضیاب ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ اپنی بہنوں کی رفاقت سے یا اپنے بھائیوں کی صحبت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ ہر ایک شادی شدہ مسلمان یہ جانتا ہے کہ اس کے ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے خواہ وہ اس کو رکھے یا چھوڑ دے یہ قانوناً جائز نہیں کہ وہ دوسری عورتوں سے رفاقت رکھے اور ان سے نکاح کرے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر کوئی عورت شادی شدہ بھی ہو تو بھی وہ اس کو اگر چاہے خواہ اس کے خاوند کو روپیہ دیکر یا پھسلا کر یا کسی اور طریق سے طلاق دلوا کر اپنی بیوی کر سکتا ہے بعض دفعہ شادی شدہ عورت اپنے خاوند سے بچنے کے لئے اس کو تکلیف دینا شروع کرتی ہے تاکہ اس سے طلاق حاصل کر کے دوسرے سے بیاہ کرے۔ چونکہ مسلمان عورت اور مرد اپنے مذہب کی رو سے شادی کی حالت کو یک پایدار حالت جو کہ موت تک قائم رہے نہیں سمجھتے بلکہ یہ جانتے ہیں کہ یہ صرف عیش اور آرام طلبی کے لئے ہے تو یہ مرد کے لئے خیال کرنا کوئی بڑی بات نہیں کہ وہ جب وہ چاہے اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے شادی کرے جو کہ اگر کسی اور کی بیوی بھی ہو وہ اسے طلاق دلوا کر اپنی بیوی کر لے اور اسی طرح یہ مسلمان عورت کے لئے کوئی بڑی بات نہیں کہ اگر وہ چاہے تو اپنے خاوند سے بد سلوکی کر کے طلاق نامہ لے لیوے اور یوں دوسرے کی بیوی ہو جائے۔ لہذا اس کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ شادی کی اس رسم کو بچانے کے لئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بالکل ہلاکت اور تباہی برپا ہو اور ناجائز لونڈی بازی پھیل جائے مسلمانوں میں مردوں اور عورتوں کے باہم اٹھنے بیٹھنے کی رسم بالکل اٹھا دی گئی اور ان میں کسی قسم کا دوستانہ برتاؤ نہ رکھا ایسا کہ سوسائٹی مردوں اور عورتوں کی نہ رہی جیسا کہ خدا نے ابتدا میں مقرر کی اور جس طرح مسیحی ملکوں میں اب ہے بلکہ صرف مردوں ہی مردوں کی رہی اور بیچاری عورتوں کو پردے کے پیچھے چھپا رکھا دروازے سے نکلنے کی اجازت بھی نہ دی بلکہ اگر نکلیں بھی تو منہ ہاتھ برقع سے چھپا کر، چونکہ عورتوں کو مجبوراً طلاق اور نکاح کے قانون اور رسموں کی رو سے مجلس (سوسائٹی) سے بالکل خارج کر دیا لہذا اس سے بڑے نتیجے پیدا ہوئے یعنی آدمیوں کی سوسائٹی سے وہ پاک اور اعلیٰ اثر دور ہو گیا جس سے کے اٹھنے بیٹھنے کے کل دستور معتدل رہے ہیں۔ سوسائٹی بذاتِ خود آدھی رہ گئی اور دوسرے آدھے حصہ کو حرم سرا کی ناخوشگوار سست حالت میں چھوڑ دیا اور اس کو زندگی کے اعلیٰ درجہ سے گرا دیا اور مردوں کی عقلی روشنی اور ترقی سے خارج کر دیا اگر طلاق کی یہ رسم دو کر دی جائے تو پردہ کی رسم بھی ہٹا دی جا سکتی ہے عورتوں کو سوسائٹی میں دخل دیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اپنے ذاتی فائدہ کو حاصل کریں اور آدمیوں کی دنیاوی کاروبار میں مددگار ہوں۔

یہ بیان کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا کہ چونکہ طلاق کھلے طور پر رائج ہے اور مردوں اور عورتوں میں بالکل علیحدگی ہے لہذا جب تک شاید نہ ہو مرد اور عورت بالکل نہیں مل سکتے اور کسی قسم کی دوستی اور محبت پیدا نہیں کر سکتے وہ صرف قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کے ذریعے سے شادی سے پہلے کچھ کہہ سن سکتے ہیں۔ اس لئے یہ بالکل مشکل ہے کہ وہ ایک دوسرے کی حالت اور مزاج سے یا عادات اور زندگی کی بابت اور خیالات سے واقف ہوں وہ ایک دوسرے کی شکل سے بھی واقف رہتے ہیں کیا جبکہ کوئی آدمی کسی گھر یا گھوڑے کو نہیں خریدتا جب تک کہ بخوبی اس کو دیکھ نہ لے اور جبکہ کوئی عورت اپنے زیور اور لباس کو نہیں خریدتی جب تک اچھی طرح اس کو جانچ نہ لے تو کیا اس رسم کا مسلمانوں میں جاری رہنا ایک نہایت بری حالت کو ظاہر نہیں کرتا کہ مرد اور عورت شادی سے پہلے ایک دوسرے سے بالکل نہ ملیں اور کہ زندگی کے سب سے بڑے اہم معاملہ میں وہ دوسروں کی رائے پر منحصر رہیں؟ لہذا یہ تعجب کی بات نہ ہو گی کہ بہت سے ایسے نکاح ہو جاتے ہیں کہ مرد اور عورت بالکل ایک دوسرے سے ناواقف اور ان کا چال چلن عادات

واطوار زندگی کی بابت خیالات بالکل مختلف ہوتے ہیں ان کی شکل وصورت ویسی نہیں ہوتی جیسی کہ وہ دونوں ایک دوسرے میں چاہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شادی کے دن ہی سے ان میں جدائی کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بعض دفعہ سننے میں آیا ہے کہ چالاکی سے بُرے چال کی لڑکیاں آدمیوں سے نکاح پڑھوالیتی ہیں تاکہ صرف وہ اس روپیہ کو حاصل کریں جو بطور مہر کے نکاح کے وقت لکھا جاتا ہے اور وہ شروع ہی میں ایسا ستانا شروع کرتی ہیں کہ خاوند طلاق دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ طلاق کی اس رسم سے نکاح کی حالت میں کدورت پیدا ہوتی ہے اور نکاح بھی ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ ہمدردی اور محبت نہ تھی لہذا فوراً طلاق دینے کی نوبت پہنچتی ہے۔ ایسی رسم کسی صورت سے سوسائٹی یا شخصی بہتری اور بہبودی کے لئے ٹھیک اور واجب نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ظاہر ہے کہ قرآن شادی اور طلاق کے بارے میں نہ صرف انجیل سے بہتر تعلیم نہیں پیش کرتا بلکہ موسوی شریعت سے بھی گر جاتا ہے۔ لیکن قرآن میں ایک اور خاص حکم ہے جو اس کی گری ہوئی اور تنزل کنندہ تعلیم کو واضح طور سے پیش کرتا ہے۔ موسوی شریعت میں تو یہ بالکل منع ہے کہ چھوڑی ہوئی عورت کسی حالت میں پھر اسی آدمی سے بیاہی جائے پر قرآن میں نہ صرف ایک بلکہ دو یہاں تک کہ بعض حالتوں میں تین دفعہ طلاق دیکر پھر بھی اجازت ہے کہ وہی آدمی اسی عورت سے نکاح کر لے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۳۰ میں یوں لکھا ہے "اگر خاوند اپنی بیوی کو تیسری دفعہ طلاق دے تو یہ اس کو لازم نہیں کہ پھر اس سے نکاح کرے۔ پر اگر وہ دوسرے سے نکاح کرے اور وہ مرد اس کو چھوڑ دے اس حالت میں پہلا آدمی پھر اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور اس پر کوئی جرم نہیں کیونکہ وہ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حدوں میں رہتا ہے اور خدا اس کو ان پر جو علم رکھتے ہیں روشن کرتا ہے" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ رسم نئے پرانے عہد نامہ کی پاک تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور یہ ہر شخص کی ضمیر کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس رسم کے معنی حقیقت میں یہ ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے کر پھر اس سے بیاہ کرنا چاہے تو وہ اس طور سے کر سکتا ہے کہ پہلے اس کا نکاح ایسے شخص سے کرائے جو عام طور سے بُرے اخلاق بری عادت کا اور بد شکل ہو خصوصاً ایسا آدمی روپیہ دیکر مقرر کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ نکاح صرف نام کو پڑھایا جاتا ہے جو ایک رات کے لئے قائم رہتا ہے دوسرے دن اس سے طلاق دلوا کر پہلا آدمی پھر اسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے۔ اس رسم کی ابتدا خواہ کچھ ہی ہو یہ کسی صورت سے ٹھیک نہیں خیال کی جاتی اور ہر ایک فہیم آدمی اس کو شادی کی پاک رسم کو خراب کرنیوالی خیال کرتا ہے اور یہ سراسر عورت پر جو کہ پاکدامن ہے صرف خاوند کے شہوتی جذبوں کو پورا کرنے کے لئے ظلم کرواتی ہے۔

عورت کا ایسا کم اور شرمناک درجہ قرآن میں عارضی طور سے پیش نہیں کیا گیا بلکہ یہ قرآن کی خاص آیات پر مبنی ہے جن میں مرد کو عورت پر زائد بزرگی دی گئی ہے۔ ذیل کی آیت کو غور سے پڑھو "مرد عورتوں پر فضیلت رکھنے والے ہیں بلحاظ اس کے کہ اللہ نے انسانوں میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے بھی کہ وہ اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں۔ پاکباز عورتیں فرمانبردار رہتی ہیں اور خاوند کی پیٹھ پیچھے نگہبانی کرتی ہیں جیسا کہ اللہ نے ان کی نگہبانی کی اور جن عورتوں میں سے تم کو سرکشی کا ڈر ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان کو خوابگاہ میں چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو ان پر اور کوئی بات مت ڈھونڈو بیشک اللہ بڑے مرتبے والا ہے" سورہ نسا آیت ۳۸ عورت کا کم اور ذلیل داد نے درجہ قرآن کی آیت سے ثابت ہوا۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ دو تین چار بیویاں ایک ہی وقت ایک خاوند کی ہو سکتی ہیں اور یہ بھی بتلایا کہ طلاق دینے کی طاقت خصوصاً آدمی کے وہم پر منحصر ہے اور عورت سے کوئی مشورہ نہیں کیا جاتا اور عورت کو اس کے برابر طلاق حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں بتایا گیا۔ ہم نے یہ بھی بتایا کہ عورت مجلسی کاروبار سے بالکل برطرف کر دی گئی گویا کہ وہ اس کام کے لئے کسی صورت سے مفید نہیں ہو سکتی اور پردہ کی رسم یہاں تک بڑھائی گئی کہ عورت کو بالکل عام جگہ میں باہر آنے کی بندش ہو گئی۔ سوائے اس کے کہ اگر وہ آئیں تو اپنے آپ کو چاروں طرف سے ڈھانک کر آئیں اور کہ وہ اپنے گھروں میں حرم سرا میں بند رہیں ایسا کہ اگر کوئی کسی مسلمان کے گھر ملنے جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے بیٹے ہی گھر میں رہنے والے ہیں کیونکہ اس کی بیوی اور بیٹیاں ہر دم

چھپی رہتی ہیں گویاان کادوسروں سے ملناخاوند کے لئے باعث شرم ہے۔ یہ رواج حدتک بڑھاہواہے کہ اگر کوئی بیوی سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کرے تو یہ انکی نگاہ میں نہایت بُرااور بیجامعلوم ہوتاہے۔ایک اور بات عرب کے پیغمبر کی تعلیم کی بابت کہی جاسکتی ہے کہ باپ کی موت کے بعد بیٹی کا حصہ بیٹے کے حصہ سے صرف آدھاہے (سورہ نساءآیت ۱۲)اور چونکہ یہ قانوناً جائز ہے تو یہ تعجب کی بات نہیں کہ گولڑکے کی تعلیم بہت بہتر اور اعلیٰ نہیں تو بھی لڑکی کے لحاظ سے بالکل بے بہرہ رہتی ہے۔ پاشاؤں یااور بڑے لوگوں کی بیویاں عام طور سے ان پڑھ ہوتی ہیں اور جواپنی پڑھائی پر کچھ فخر بھی کر سکتی ہیں وہ صرف قرآن کی لفظی طور پر دہرانے کے لائق ہوتی ہیں اور بڑے شہروں کی صرف چند عورتیں اس کے ساتھ کچھ باجایاانگریزی یافرانسیسی زبان کے چند الفاظ جانتی ہیں۔اگرماں کی تعلیم اچھی نہ ہوتووہ کس طرح بچوں کی تعلیم کو عمدہ طور سے شروع کر سکتی ہے؟اوراگر عورتوں کو علم اور سائنس سے علیحدہ رکھاجائے تووہ کس طرح جہالت اور گمراہی کے پھندے سے نکل سکتی ہیں؟ مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں اور دوسری دنیا(بہشت) کی خوشبوں کو حاصل کرنے میں بھی عورت کادرجہ نہایت کم ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ رواج ہے کہ مسجدوں میں نماز صرف مرد ہی آکر پڑھیں اور عورتوں پر یہ ٹھہرایاگیاہے کہ یاتووہ گھر ہی پر پڑھیں یااگرنہ چاہیں تونہ پڑھیں اوراگر عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت بھی ہوئی تووہ عام جگہ میں سب کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتیں بلکہ برعکس اس کے ایک کنارے حجرہ میں جہاں سے ان کو کوئی دیکھ نہ سکے نمازپڑھنے کی اجازت ہے۔ عورتوں کواس طرح سے نماز میں بھی مردوں سے علیحدہ رکھنا بڑا تعجب پیدا کرتاہے کیونکہ قرآن میں یہ صاف آیاہے کہ دوسری دنیامیں عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ بہشت میں داخل ہونگی سورہ رعد آیت ۲۳، سورہ الشعرا آیت ۵۶، سورہ المومن آیت ۸، سورہ الزخرف آیت ۷ پر ہم ان حوالجات سے زیادہ نہیں اخذ کر سکتے کیونکہ قرآن میں یہ صاف طور سے کہیں نہیں آیاکہ عورتوں کارتبہ بہشت میں آدمیوں کے برابر ہوگا،پر برعکس اس کے صرف آدمیوں کے اجراور خوشیوں کابیان متواترملتاہے سورہ واقعہ آیت ۲۳، ۲۴۔ سورہ رحمان آیات ۵۶، ۷۰، ۷۸ مگر عورتوں کی بابت کہیں ایساذکر نہ ملیگا۔

ان سب باتوں پر غور کرکے یہ بڑا تعجب معلوم ہوتاہے کہ کوئی پھر بھی اس مذہب کو اعلیٰ اور بہتر خیال کرے جس میں عورتوں کادرجہ نہایت کم اور ذلیل نہ صرف اس دنیامیں بلکہ آنے والی دنیامیں بھی ٹھہرایاہے۔ یہ بات اور بھی تعجب انگیز ہوتی اگر عورتیں اپنی مرضی سے اس حالت میں رہنا پسند کرتیں پراب تو موجودہ حالت کو دیکھ کر معلوم ہوتاہے کہ کم علمی کی وجہ سے عورتیں اس بات پر سوچ نہیں سکتیں کیونکہ ہو نہیں سکتاکہ اگر روشنی ان کے دماغ پر پڑے تووہ اس دنیامیں ایساذلیل وحقیر رہناپسند کریں اور آنے والے جہان میں بھی خوار ولاچار رہیں جیساکہ وہ اسلام کی رو سے مانی اور سمجھی گئی ہیں۔

خاتمہ

جتنااس موقع کے لئے مناسب تھااتناہم نے اس مضمون پر غور کیا۔ ہم نے مسلمانوں اور مسیحی علما کے خیال کو قبول کر کے خدانے ایک ہی دم اپنا مکاشفہ ظاہر نہیں کیابلکہ آہستہ آہستہ مختلف زمانوں میں اس کو بنی آدم پر نازل کیاتینوں مذاہب کو جانچایعنی یہودی مسیحی اور اسلام کو۔ان تینوں مذاہب کے پیرو مانتے ہیں کہ وہ مذہب جو کہ موسیٰ کے ذریعے اور اس کے بعد اور نبیوں کے ذریعے یہودیوں کو دیا گیاخدا کی طرف سے نازل ہوا تھااور کہ وہ سچا مذہب تھا۔اس لئے اس کی صداقت کے لئے کوئی دلائل پیش نہ کئے گئے۔اس کے بعد جب خدانے کئی سو سال تک نبی نہ بھیجے تواپنے آپ کوایک نئے طریق سے یہودیہ کے ملک میں ظاہر کیااوراس مذہب نے دعویٰ کیا کہ وہ سب مذہب سے اعلیٰ اور بہتر اور کامل ہے۔یہ نیامذہب یعنی مسیحی مذہب خدا کی طرف سے نازل ہوااور یہودیوں کے مذہب سے بہتر تھااور یہ امر محمدی اور مسیحی دونوں مانتے ہیں گو یہودی اس سے انکار کرتے ہیں۔لہذاہم نے مسیحی او رمحمدی دلائل کو پیش کر کے ظاہر کیا کہ کس روسے مسیحی مذہب یہودی مذہب سے اعلیٰ ہے ہم نے جتناضرور اور مناسب تھااس سے تجاوز نہیں کیا کیونکہ اس رسالہ میں اس کی گنجائش نہ تھی۔اس واسطے ہم نے صرف مسیحیت کی اندرونی طاقت اور اثر کو بیان کیااور بتایا کہ اس وقت کے وسیلے یہ مذہب دنیامیں باوجود سخت تکالیف اور رکاوٹوں کے اور بغیر دنیاوی مدد یاسلطنت کے پھیل گیا۔دوسرے ہم نے پرانے عہد نامہ سے ان پیشینگویوں کو بھی پیش کیاجو مسیح کے آنے کو بتلاتی تھیں اور ایک اعلیٰ روحانی درجہ کو ظاہر کرتی ہیں۔تیسرے ہم نے یہ جتلایا کہ مسیحی مذہب یہودی مذہب کے درمیان ہی سے جہاں اس کی تیاری خدا کی طرف سے پہلے ہو چکی تھی اٹھا۔چوتھے ہم نے مسیحی مذہب کے بانی کو خدا کی طرف سے مقرر کیاہوااثابت کرنے کے لئے اس کے معجزانہ کاموں کا بیان کیا۔پانچویں ہم نے نئے اور پرانے عہد نامہ کی تعلیم کا مقابلہ کر کے بتایا کہ نئے عہد نامہ کی تعلیم پرانے سے بہتر اور زندگی کا اعلیٰ معیار پیش کرتی ہے۔یہ پانچواں حصہ ہم نے چھ خاص باتوں سے ثابت کیا جن میں سے تین خدا کی بابت اور الہیٰ مکاشفہ کی بابت تعلیم پیش کرتی ہیں مثلاً(۱)خدا کااپنے آپ کو بنی آدم پر ظاہر کرنا(۲)اس کی پرستش(۳)اس کی بادشاہت اور باقی تین انسانوں کے باہمی تعلقات کی بابت پیش کرتی ہیں مثلاً(۱)بدلہ لینا (۲)غلامی(۳)عورتوں کے ساتھ سلوک خصوصاً کثرت ازدواجی اور طلاق کے بارے میں۔ان چھ باتوں پر بحث کرتے ہوئے معلوم ہوا کہ مسیحی کی انجیل کی تعلیم انسان کی ضروریات کے مطابق ہے زندگی کا اعلیٰ درجہ پیش کرتی ہے اور ایسی روحانی اور مکمل ہے کہ بمقابلہ موسوی تعلیم کے یہ اپنے آپ میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے نزدیک کافی ثبوت رکھتی ہے کہ اس سے بہتر اور اعلیٰ ترہے اور خدا کے سچے مذہب کا سب سے بزرگ روحانی اور حقیقی معیاری بنی نوع انسان کے لئے بہ نسبت قدیم یہودی مذہب کے پیش کرتی ہے۔

پھر ہم نے مسیحی مذہب اور اسلام کا مقابلہ کیااور جتلایا کہ آیا قرآن انجیل کی تعلیم سے ایسا ہی بالا اور برتر نہیں ہے جیسے کہ انجیل موسوی شریعت سے ثابت ہوئی۔اب جبکہ یہودی مسیحی اور محمدی اس بات کو مانتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا مذہب خدا کی بخشش تھی اور جبکہ مسیحی اور مسلمان دونوں مانتے ہیں کہ مسیحی مذہب یہودی مذہب سے بہتر اور اعلیٰ مذہب ہے تواب مسلمان ہی ایک طرف ہیں جو کہ اسلام کو بمقابلہ مسیحی اور یہودی مذہب کے خدا کی سب سے بڑی بخشش مانتے ہیں حالانکہ مسیحی اور یہودی دونوں اس بات سے انکار کرتے ہیں۔علاوہ اس لفظی انکار کے ہم نے دونوں مذاہب کی تعلیم پر غور کیا کیونکہ ہم یونہی رد کرنا نہیں چاہتے پر دریافت کرناچاہتے تھے کہ آیافی الحقیقت محمدی مذہب اس طرح بہتر اور اعلیٰ ہے یانہیں۔اس واسطے کسی کی طرفداری نہ کرتے ہوئے ہم نے مسیحی اور اسلام کا انہی چھ باتوں میں مقابلہ کیاجن سے ہم نے مسیحی مذہب اور یہودی مذہب کا مقابلہ کیا تھایعنی ہم نے عام لوگوں کی رائے پر یا کسی خاص عالم کی رائے پر فیصلہ نہیں چھوڑابلکہ قرآن اور انجیل کی تعلیم پر جو کہ تواریخ سے ظاہر ہے اور جس کی بابت کوئی شک

وشبہہ نہیں پس جو نتائج پیدا ہوئے وہ بالخصوص قرآن اور انجیل کی تعلیم سے پیدا ہوئے۔ان سب نتائج نے یہ فیصلہ قرار دیا کہ اسلام کا دعویٰ صحیح نہیں او ر کہ کسی ایک تعلیم کے لحاظ سے بھی اسلام مسیحی مذہب پر فوقیت نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ مکاشفہ کا اعلیٰ معیار پیش کرتا ہے بلکہ بہت سی باتوں میں مسیحی مذہب کی تعلیم سے بہت گرا ہوا ہے۔اب اگر ہم ان منطقی دلائل کو منظور کریں تو بلاشبہ یہ نتیجہ پیدا ہو گا کہ اسلام اعلیٰ اور بہتر مذہب نہیں اور اگر ہم اب بھی یہی کہتے جائیں کہ اسلام ہی سب سے بہتر ہے تو یہ ایک بے معنی بات ہو گی کیونکہ اس کے ثبوت میں کوئی بڑی دلیل نہیں ہے۔لہذا یہ نہایت مناسب اور واجب ہے بلکہ ہر ایک کا فرض ہے جیسا کہ ہر ایک کھلے دل والا اور بے تعصب آدمی کرتا ہے کہ اس منطقی نتیجہ کو قبول کرے یعنی محمدی مذہب گو چند اصول مسیحی اور یہودی مذہب کے رکھتا ہے مگر بہت سی باتوں میں ان سے کم اور مسیحی مذہب سے تو کہیں کم ہے۔

جبکہ ہم اسلام کو اس طرح عقل اور ضمیر سے جانچ کے قبول کرنے کو تیار ہیں تو ہم اس کی سب باتوں کو بے فائدہ رد نہیں کرتے۔یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہم نے اسلام کو محض ایک مذہب کی حیثیت سے جانچا ہے پر اگر اس کی دنیاوی حکومت کا خیال کیا جائے تو ہر ایک شخص خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان ہو پھر نئے سرے سے غور کر سکتا ہے کہ آیا اسلام بحیثیت سلطنت کے جس میں مذہب کے اصول شامل کر دئے گئے ہیں دنیا کی اور سلطنتوں سے گوئے سبقت لے گیا ہے یا نہیں؟

یہ چند خیالات ہدیہ ناظرین ہیں اور مصنف اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے اپنے اس فرض سے سبکدوش ہوتا ہے اب چاہے مسلمان ان دلائل کو اس طرح قبول کریں یا نہ کریں یہ ان کے ذمہ ہے اگر وہ فی الحقیقت سوچیں اور جستجو کریں تو وہ ان دلائل کو یک لخت رد نہیں کر سکتے۔اور اگر قبول کریں تو وہ ضرور یہ سوچنے لگینگے کہ اگر اسلام مسیحی مذہب سے اعلیٰ اور بہتر مذہب نہیں تو کیا وہ خدا کی طرف سے نازل کیا ہوا مذہب ہو سکتا ہے؟ کیا یہ خدا کی دانائی اور عقل کے بموجب ہو سکتا ہے کہ جب اس نے سیدنا مسیح کے ذریعے انسان کو ایک مذہب کا اعلیٰ مکاشفہ دیا ہو تو اس کے چھ سو برس کے بعد ایک ادنیٰ مکاشفہ پھر محمد صاحب کے ذریعے دے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا پھر اپنے ایک خاص فرشتے جبرائیل کو آسمان سے وہی باتیں نازل کرنے کو بھیجے جو اس نے ہزاروں برس پہلے اپنے بندوں پر نازل کیں؟ یا یہ ہوئے کہ محمد صاحب نے مسیحی اور یہودی مذہب سے چند تعلیمات لیکر ایک نیا مذہب بنایا تاکہ یہ تعلیم آسمان سے اتری ہوئی ان جاہل عربوں کے سامنے پیش کرے جو کہ ان باتوں کی بابت کچھ نہیں جانتے تھے۔کوئی سمجھدار مسلمان ان باتوں سے سوائے اس ارادے کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ میں اب زیادہ دیر تک شک کی حالت میں نہ رہونگا بلکہ چونکہ یہ ظاہر ہو گیا کہ اسلام مسیحی مذہب سے بہتر اور اعلیٰ نہیں لہذا میں کوشش سے اس بات کی اور جستجو کرونگا اور اپنے دل کو تسکین دونگا یہ مان کر کہ مسیحی مذہب ایک پاکیزہ اور اعلیٰ مذہب ہے۔ہزارہا مسلمان اب خدا کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے خدا سے ہدایت پائی اور مسیحی ہیں وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کا موجودہ مذہب پرانے مذہب سے بہتر اور زیادہ زندگی بخش ہے۔وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا کرتے ہیں کہ وہ بھی دلی تسکین اور عقلی روشنی کو حاصل کریں جو کہ ان کو حاصل ہے اور جو ان کو سوائے سیدنا مسیح کے مذہب کے اور کہیں نہیں مل سکتی۔اس کتاب کا مصنف جو کہ محض پیدائشی مسیحی نہیں بلکہ جس نے مسیحی مذہب کو ایک محبت آمیز اعلیٰ اور بہتر خدا کا مکاشفہ پایا دعا مانگتا ہے اور اس کے ساتھ ہزارہا ہزار ایماندار دعا کرتے ہیں کہ خدا مسلمانوں کو جلد وہی نور اور تسلی بخشے کہ وہ سب مسیحیوں کے ساتھ خدا کے اس محبت آمیز نجات دینے والے مذہب میں آکر خوش ہوں اور آرام پائیں۔اس میں ہمارا نہ کوئی ذاتی فائدہ ہے اور نہ کوئی دنیاوی فائدہ کیونکہ اگر ترکی مصرف فارس سیریا اور ہندوستان کے ہزاروں مسلمان عیسائی ہو جائیں تو اس سے ہمارا دنیاوی فائدہ کیا ہو گا گاہ صرف انہی کو زیادہ خوشحال اور بہتر بنائیگا موت کی حالت میں امیدوار اور ابدیت کی خوشحالی عنایت کریگا۔اگر ہماری کوئی خواہش ہے تو یہی ہے کہ وہ بھی ہماری طرح نجات کو حاصل کریں۔ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم آخری زمانہ کے نزدیک ہیں اور بہت جلد اس کتاب کا لکھنے والا اور پڑھنے والا خدا کے تخت عدالت کے سامنے بلائے

جائینگے جہاں سبھوں کے دل کے حالات اور بھید فاش کئے جائینگے۔اس حالت میں ہم کسی کو دھوکا نہیں دے سکتے پر برعکس اس کے ہم سبھوں کو مسیح اور اس کے مذہب کے پاس لے آتے ہیں یہ یقین کرکے کہ اس سے دل میں ایسا اطمینان اور چین پیدا ہوتا ہے اور یہ اس طور سے انسان کو خدا کی حضوری سے معمور کرتا ہے جس کو ہر ایک انسان جانے یا نہ جانے ڈھونڈتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ سیدنا مسیح اب بھی ان مبارک الفاظ کو جو اس نے گناہ کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگوں کو کہے اپنی ذات سے پورا کرتا ہے یعنی "اے تم لوگو جو تھکے اور بوجھ سے دبے ہوئے سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دونگا "(متی ۲۸:۱۱) ہم جانتے ہیں کہ اس کے الفاظ سچ اور برحق ہیں گویا ان پر خدا کی طرف سے صداقت کی مہر لگائی گئی ہے اور یہ الفاظ وہی ہیں جو اس نے انسان اور خدا کے درمیان میل کرانے والے کی حیثیت میں کہے ہیں۔ وہ فرماتا ہے "راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی باپ کے پاس بغیر میرے وسیلہ کے آنہیں سکتا"(یوحنا۱۴:۶) لہذا ہم ہر ایک انسان کو خداوند کے ان الفاظ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو اس نے ایک مرتبہ اپنے شاگردوں سے کہے تاکہ ہر ایک انسان خود ان کو جانچے اور آزمائے اور برکت حاصل کرے۔ چنانچہ اس نے فرمایا تھا "ہر ایک جو میری ان باتوں کو سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے اس عقلمند آدمی کی مانند ہے جس نے اپنا گھر چٹان پر بنایا اور مینہ برسا اور باڑھیں آئیں اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر زور مارا پر وہ نہ گرا کیونکہ اس کی نیو چٹان پر تھی "(متی ۷:۲۴، ۲۵)۔

تمت